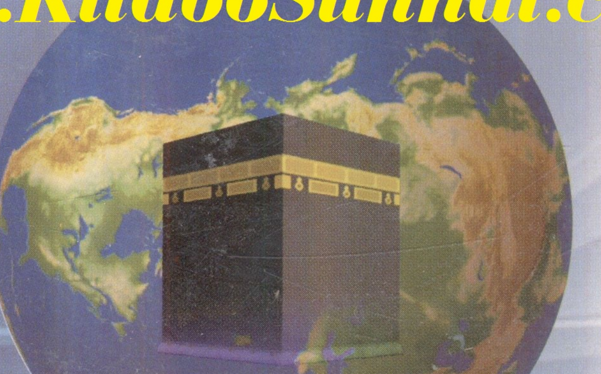
داعی اعظم ﷺ
کی
عالمگیر نبوت



پروفیسر توقیر عالم فلاحی

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی ۲۵

داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

کی

عالمگیر نبوت

پروفیسر توقیر عالم فلاحی

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز، نئی دہلی ۲۵

داعیٔ اعظم ﷺ کی عالمگیر نبوت

Daee-e-Azam (SAW) ki Alamgeer Nubuwwat

By: Prof. Tauqeer Alam Falahi

مصنف کے افکار و خیالات کوئی ضروری نہیں کہ ناشر، تقسیم کار یا پرنٹر کے موافق ہوں۔

ISBN: 978-93-84973-09-4

کل صفحات	:	230
سال اشاعت	:	2016ء
مطبع	:	بھارت آفسیٹ، گلی قاسم جان، دہلی۔110006
قیمت	:	Rs 180 /-

ناشر

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

162، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

ملنے کا پتہ

قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

B-35، نظام الدین (ویسٹ)، نئی دہلی-110013

Tel.: 91-11-24352732 Fax.: 91-11-24352048

E-mail: qazipublishers@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَّنَذِيْراً
وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْن (سبا:۲۸)

[اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے
خوشخبری دینے والا اور ڈرا دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ مگر
اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔]

انتساب

آدمؑ و حواؑ

کے

ان سعادت مند فرزندوں کے نام

جو عشق رسول اور اتباع سنت کو محبت الٰہی کے لیے

دولت گراں مایہ سمجھتے ہوئے زندگی کے شب و روز گزارنا چاہتے ہیں۔

فہرست مضامین

پیش لفظ

ظہور اسلام سے قبل دنیا کے مختلف خطوں میں انبیاء ورسل کا ایک طویل سلسلہ جاری رہا اور تمام انبیاء، رسل اور صلحاء نے اللہ کی وحدانیت کی تعلیم سے اپنی اپنی قوم کو باخبر کیا لیکن ان سب کا تعلق کسی خاص قوم کسی خاص خطہ سے ہی رہا یہی وجہ تھی کہ ایک وقت میں دنیا کے مختلف خطوں میں کئی کئی انبیاء وصلحاء پائے گئے، قرآن میں اس کا ذکر ہے کہ لکل قوم ھاد جو یہ واضح کرتی ہے کہ ہر ایک کا تعلق اپنی قوم اور کسی خاص خطہ سے ہی رہا ہے لیکن رہبر انسانیت اور رحمۃ اللعالمین کی حیثیت سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ کا ظہور اور آپ کی نبوت اور آپ کا پیغام پورے عالم کے لیے ہے اسی لیے آپ کی نبوت کو عالمی وآفاقی درجہ حاصل ہے۔

جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے جسے ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی نے ترتیب دیا ہے ''داعی اعظمؐ کی عالمگیر نبوت'' بھی اسی بات کو ثابت کرتی ہے کہ آپؐ کی نبوت عالمگیریت کی حامل ہے۔ چنانچہ مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے:

> سرورِ کونین محمد عربیؐ انبیائی بعثت مبارکہ کی آخری کڑی ہیں جو مخصوص خطہ ارض یا گروہ انسانی کے لیے نہیں بلکہ رنگ ونسل اور قوم ووطن کے تمام حدود وقیود سے بالا پوری انسانی برادری کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہیں، بلکہ آپؐ کی بعثت رب العالمین کی طرف سے تمام موجودات خلائق کے لیے سراپا رحمت قرار دی جاتی ہے۔ قرآن مجید کا نزول تمام معجزات نبویؐ میں اعلیٰ وافضل ہے، جس نے زندگی کے اصولوں سے نابلد اور جہالت وسفاکیت میں بے مثل بادیہ نشینان عرب کی زندگیوں کو انقلاب آشنا کر دیا جنھوں نے دنیا کو زندگی کے زریں اصول بتائے اور سیادت وحکمرانی کے قیمتی گر سکھا دیئے۔

اسی قرآن میں اخلاقِ عالیہ کے بلند ترین مرتبہ پر آپؐ کے فائز ہونے کی شہادت دی جاتی ہے، اسی طرح کبھی آپؐ کے نطق و گویائی کو وحیِ الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آپؐ کی اطاعت کو اطاعتِ الٰہی قرار دیا جاتا ہے تو کبھی آپؐ کے اتباع کو مرضیِ مولیٰ کے حصول کا معیار بتایا جاتا ہے تو کبھی پوری انسانیت کے لیے آپؐ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ کی سند سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

پروفیسر توقیر عالم فلاحی کی اس کتاب سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ آپؐ انسانیت کے سب سے بڑے محسن اور عظیم ترین نجات دہندہ بن کر تشریف لائے اور تئیس سال کے قلیل عرصے میں ایسا انقلاب برپا کیا کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ تمام تر انسانیت سوز حرکتوں میں ملوث ہونے والے عربوں نے جب اس اسوۂ حسنہ کو اپنایا تو ان کی زندگیاں انقلاب آشنا ہوگئیں، عدل وانصاف اور تمام اوصاف حسنہ کے وہ ایسے پیامی بن گئے کہ دنیا ان کے لیے جنت نشاں ثابت ہوئی اور آخرت کی ابدی کامیابی کا پروانہ اسی دنیا میں 'رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ' کی شکل میں مل گیا۔

یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آج کا انسان جن المناک اور دلدوز احوال وکوائف سے دوچار ہے، ان سے نجات پانے کا واحد اور مستند ترین راستہ یہ ہے کہ انسانیت کے محسن اعظم اور اللہ رب العالمین کے آخری فرستادے محمد عربیؐ کے طریقے کو زندگی کا اثاثہ بنالیا جائے جبھی اس فانی دنیا کی مسرتیں حاصل ہوسکتی ہیں اور لافانی زندگی کی حقیقی فلاح وکامرانی بھی حاصل ہوگی۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم

چیئرمین، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

مقدمہ

ابتداءِ آفرینش کائنات سے ہی ہر ملک وقوم، ہر خطۂ ارض اور ہر طبقۂ انسانی میں اصلاح وانقلاب کی علمبردار شخصیتیں منصۂ شہود پر آتی رہی ہیں اور اپنے فکر ونظر اور کردار وعمل کے ذریعہ معاشرۂ انسانی کو اپنا ہمنوا بنانے کی سعی وعمل میں مصروف رہی ہیں۔ اللہ رب العزت کے کم وبیش سوا لاکھ معزز ترین بندوں اور فرستادوں میں آمنہ اور عبداللہ کے جگر گوشے محمد عربی ﷺ بنی نوعِ انساں کے عظیم ترین محسن اور انسانیت کے سب سے بڑے نجات دہندہ ہیں، جنھوں نے تئیس سال کی قلیل مدت میں تاریخ کے دھاراؤں کا رخ موڑ دیا، تمام معبودانِ باطل سے بے نیاز کر کے بنی نوع انساں کو ان کے خالق سے ملا دیا، دلوں پر حکمرانی کرنے کا گر سکھایا اور عرب وعجم سے اللہ کے دین اور اس کے علم برداروں کی قوت کا لوہا منوایا۔

محمد عربی ﷺ خاتم الانبیاء، رحمۃ للعالمین، سید الانبیاء اور شفیع المذنبین ہیں۔ آپ سے محبت اللہ سے محبت کی کسوٹی ہے۔ فرمایا جاتا ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ[۱]

[(اے محمد ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، تب اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی دراصل بندۂ مومن کا وہ عظیم ترین سرمایہ ہے جو موت کے بعد کی اصل زندگی میں اس کی کامیابی کی ضمانت بنتا ہے اور اس تغیر پذیر اور فانی عالم آب وگل میں بھی فائز المرام ہونے کا محرک بنتا ہے۔ کوئی شخص خدا کا فرمانبردار اور اطاعت گذار بندہ بننا چاہے تو اس کا راز رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں مضمر ہے۔ خالق السمٰوٰت والارض کی طرف سے ہی یہ اعلامیہ جاری ہوتا ہے:

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ[۲]

[جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔]

تمام انبیاء ورسل کی بعثت مبارکہ اسی غرض سے ہوئی تھی کہ انسانوں کو باطل

خداؤں کے چنگل سے آزاد کر کے ان کے اصل خالق و مالک کا راستہ دکھادیں اور وہ تمام آستانوں سے کٹ کر اپنی جبین نیاز کو خلاق دو جہاں کے آگے جھکا دیں۔ کتنوں نے خدا کے ان فرستادوں کو مانا اور کتنوں نے انکار کیا، یہ کسی پیغمبر خدا کے مقبول بارگاہ ہونے اور اس کے کامیاب ہونے کا معیار نہیں ہے۔ اللہ رب العزت کی جانب سے مبعوث کی گئی انسانیت کی تمام چیدہ ہستیاں اپنے اپنے وقتوں میں خدا کی تائید و نصرت کے ساتھ قوم کی بھلائی کا درد لیے ہوئے سرگرم عمل رہیں۔ ان تمام میں محمد عربی ﷺ کی ذات گرامی اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ آپ کے اندر اللہ کے راستے سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے تئیں جو غایت درجے کی تڑپ، اضطراب اور بے چینی ہوتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مدعو قوم کے تئیں اس سیمابی کیفیت پر رب العالمین اور احکم الحاکمین کو بھی ملال آجاتا ہے اور فرماتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا [3]

[اچھا تو اے نبی، شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہیں، اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔]

انسان ضلالت و گمرہی کے قعرِ عمیق سے نکل کر رشد و ہدایت کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے، یہی فکر آپ ﷺ کو کھائے جا رہی تھی۔ مخاطب معاشرہ یا مدعو قوم کے تئیں جس انتہائی درجے کا قلق اور بے چینی آپ کے دامن گیر تھی، اس کی تصویر کشی اس ربانی ارشاد سے بھی ہوتی ہے جس میں اپنے محبوب کے وجود مسعود کی بابت اللہ رب العزت کی بے انتہا شفقت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ فرمایا جاتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ [4]

[حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے (پس اے نبی) ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں آپ کی جان نہ چلی جائے، جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔]

انسان پریشانیوں اور مصیبتوں میں گرفتار رہے اور ہدایت کے بدلے گمراہی کا سودا کرے، یہ امر خاتم الانبیا ﷺ کے لیے باعث تشویش تھا۔ محبت و ہمدردی، عنایت و مہربانی اور رحمت و رأفت کے جذبات واحساسات سے آپ ﷺ کی حیات طیبہ بدرجہ اتم مزین تھی۔ ذیل کی آیت کریمہ میں ایک طرف اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کو سراپا خیر و برکت وجود کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے تو دوسری طرف اپنے محبوب کی تڑپ اور اس کی شبانہ روز جدو جہد کو سند قبولیت عطا کرتا ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۵

[تم لوگوں کے پاس ایک رسول آ گیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق گذرتا ہے،تمہاری ہدایت کا وہ حریص ہے۔ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔]

دنیا میں ہادیانِ قوم وملت اور رہبران تنظیم وتحریک کی کمی نہیں ہے۔ ماضی میں بھی عظیم المرتبت ہستیاں سامنے آئیں اور حال میں بھی ہیں۔لیکن دنیا کے تمام قائدین ملک وملت اور پیشوایان قوم ومذہب، قائد اعظم رہبر انسانیت ﷺ کے مقام ومرتبہ کے عشر عشیر کو بھی پہنچنے سے عاجز وکوتاہ ہیں۔سب سے بڑی وجہ امتیاز یہ ہے کہ انقلاب کے نام لیوا دنیا کے یہ زعماء اور قائدین قول کے تو غازی نظر آتے ہیں، اسٹیج کی زینت تو بنتے ہیں لیکن کردار وعمل میں انتہائی پستہ قد اور ادنیٰ ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی پوری زندگی میں خواہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، تنہائی کی زندگی ہو یا اہل وعیال اور احباب و رفقاء کی بزم، اسی طرح پنچایتوں اور عدالتوں کی زندگی ہو یا لڑائیوں اور غزوات کی، یہ زندگی باپ کی حیثیت سے ہو یا بیٹے کی حیثیت سے، شوہر اور داماد کی حیثیت سے ہو یا پھر تحریک اسلامی کے قائد اور پوری انسانی برادری کے راہبر و راہنما کی حیثیت سے، ہر حیثیت سے آپ کردار کی انتہائی بلندی پر متمکن ہیں۔ اللہ رب العزت نے اس کی سند دے دی ہے:

إِنَّ لَكَ لَأَجْراً غَيْرَ مَمْنُونٍ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ ۶

[بلا شبہ آپ کے لیے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہونے والا ہے اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔]

آپ ﷺ مقناطیسی صفت کے حامل اخلاق فاضلہ کے زیور سے آراستہ تھے، جن کی بنا پر فارس کے سلمانؓ حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ اور مکہ کے ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ محبت رسول میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کے اخلاق سے متعلق ایک بدو کے استفسار پر حضرت عائشہؓ بجا طور پر یہ فرماتی ہیں کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ پورا قرآن رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار کا ترجمان ہے۔ ۷

اپنوں کا کیا کہنا کہ وہ رسول اللہ کے اخلاق کے کیسے مداح تھے، وہ تو اچھی طرح یہ سمجھتے تھے اور آج بھی سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر اللہ پر ایمان معتبر نہیں ہو سکتا، آپ سے محبت کیے بغیر اللہ سے محبت کا دعویٰ کھوکھلا ہے۔ اغیار و اجانب اور مخالفین و معاندین بھی آپ کی اخلاقی بلندی پر رطب اللسان تھے۔

ایک مرتبہ رؤساء قریش میں آپ ﷺ فکر و تشویش کا موضوع بحث بنے ہوئے تھے، نضر بن حارث جو قریش میں بلند پایہ اور جہاں دیدہ شخص تھا، اس نے بے ساختہ کہا: ''اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے تم اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ محمد تمہاری ہی رفاقت میں عہد طفولیت سے عہدِ شباب تک پہنچا، اس وقت تک تم میں وہ سب سے زیادہ فہم و فراست والا، ایمان دار اور صادق تھا اور اب جب کہ اس کے بالوں میں سفیدی آ چکی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کر رہا ہے تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس کی باتیں سنی ہیں محمد ان سب سے بری ہیں''۔ ۸

کفار قریش میں محمد عربی ﷺ کے سب سے بڑے حریف ابوسفیان، جنھوں نے فتح مکہ سے قبل کی تمام جنگوں میں کفار کی قیادت کی تھی، آنحضرت ﷺ کی تحقیقِ احوال کے لیے قیصر روم کے دربار میں طلب کیے جاتے ہیں۔ موقع کتنا نازک اور سنگین ہے۔ ایک دشمن کی شہادت اپنے ایک ایسے دشمن کے بارے میں ہے جس کو وہ اس صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ یہ دشمن اسلام ایسے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہے جہاں کوئی ڈر و خوف نہیں ہے اور جو شوکت و حشمت اور قوت و اقتدار کے لحاظ سے وقت کا بے مثل بادشاہ ہے

جس کو غلط بیانی اور تملق و چاپلوسی کے ذریعہ اگر راضی کر لیا جاتا تو ایک اشارے پر نفری طاقت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مدینہ کی طرف کوچ کر سکتا تھا، لیکن تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ ایسے زور آور بادشاہ کے استفسارات پر اس نے محمد عربی ﷺ کی پاکدامنی، سچائی، امانت، شرافت، پاس عہد اور اخلاق محمدی ﷺ کے دوسرے پہلوؤں کو اجاگر کیا اور محمد عربی ﷺ کی دعوت کی عظمت کو بادشاہ وقت کے گوش گزار کیا۔

ابوجہل یہ کہا کرتا تھا کہ محمد میں تم کو جھوٹا نہیں سمجھتا، ہاں جو کچھ تم کہتے اور سمجھاتے ہو، اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔ 9

خاندان کے اعزہ و اقارب کو اعلانیہ دعوت دینے کا حکم ہوا تو صفا کی بلندی پر چڑھ کر آپ نے اپنے جانی دشمنوں سے اپنے اخلاق کی سند لے لی تھی۔ اہل قریش جب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والی ہے تو کیا تم یقین کرو گے، سب نے بیک زبان کہا تھا کہ تم تو صادق اور امین ہو، تم کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا''۔ 10

یورپ آج اسلام کی مخالفت میں سرگرم و فعال ہے۔ اہل یورپ نے صلیبی جنگوں میں شکست و ہزیمت کے بعد فکری اور قلمی جنگ کا محاذ سنبھال لیا ہے۔ پردہ، تعدد ازدواج، غلامی، ازواج مطہرات، حقوق نسواں اور قرآن و سنت پر علمی پہلوؤں سے متعدد مباحث محل نظر بلکہ قابل تردید ہیں، لیکن محمد عربی ﷺ کو تمام ہادیان مذہب، مصلحین و مقننین میں سرفہرست رکھ کر وہ اپنی علمی دیانت داری کا ثبوت دیتے ہیں۔

پروفیسر ڈیوڈ سموئیل مارگولیتھ آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر تھے۔ 'ہیروز آف دی نیشنس' کے سلسلۂ طباعت میں ۱۹۵۵ء میں زیور طبع سے آراستہ ہونے والی کتاب 'محمد' کو مغربی دنیا میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بلاشبہ اس سے زیادہ جارحانہ اور زہریلی کتاب تا حال نہیں لکھی گئی، تاہم وہ اپنے مقدمۂ کتاب میں ضمیر کی پکار اور علمی دیانت داری سے انحراف نہ کر سکا۔ وہ لکھتا ہے کہ محمد ﷺ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا شرف و اعزاز کی بات ہے۔ 11

آر، باسورتھ اسمتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم محمد سے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔[۱۲]

بہت حد تک دیانت دار ایک اور یوروپین مصنف محمد اور قرآن سے متعلق اپنی شہرت یافتہ کتاب میں لکھتا ہے کہ بلاشک وریب تمام مقننین و فاتحین میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کی سوانحی تفصیلات محمد ﷺ کی سوانحی تفصیلات سے زیادہ مفصل اور سچی ہوں۔[۱۳]

ایک اور مغربی عالم جو 'محمد ایٹ مکہ'، 'محمد ایٹ مدینہ'، 'محمد ایز اے اسٹیٹس مین' جیسی کتابوں کا مصنف ہے، اگرچہ اس کی بہت سی باتیں معاند اسلام جذبات کی عکاسی کرتی ہیں تاہم اپنی ایک مشہور تصنیف میں رقم کرتا ہے کہ پورا قرآن مجید محمد عربی کی ثبوت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ محمد اور قرآن سے متعلق سچائی سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔[۱۴]

خالق کائنات جو رب العالمین ہے، احکم الحاکمین ہے، الرحمٰن اور الرحیم ہے جس کی تعریف میں پوری دنیا کے درخت اگر قلم بنادیے جائیں اور سمندر کے پانی روشنائی بنادیے جائیں اور اس جیسے سات سمندر اور بھی شامل ہوجائیں تو دنیا سے سارے درخت نیست و نابود ہوجائیں گے اور سارے سمندر خشک ہوجائیں گے، لیکن اس مافوق الفطرت ہستی کی تعریف کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔[۱۵] خاتم الانبیاء اور سید المرسلین ﷺ کی عظمت پر دی گئی خدائی سند کے بعد پھر کسی اور کی سفارش اور تعریفی کلمات کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن دنیا انتہائی مسعود و مبارک ذات اور اللہ رب العزت کے محبوب ترین رسول پر گویا ہونے اور آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ کو صفحۂ قرطاس پر لانے میں فخر محسوس کرتی رہی ہے اور انشاء اللہ تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنے ہوں یا غیر، خویش و اقارب ہوں، یا اجانب و اغیار، ان میں سے ہر وہ شخص جو تعصب و جانب داری کے حصار سے نکل کر علمی دیانت داری اور حق و صداقت کی روش پر گامزن ہو، یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ محمد عربی ﷺ

اللہ رب العزت کے سب سے زیادہ محبوب، انسانیت کے سب سے بڑے نقیب اور بنی نوع انساں کے سب سے بڑے نجات دہندہ ہیں۔ ان کی زندگی میں پوری انسانی برادری کے لیے جو اللہ واحد پر ایمان رکھے اور آخرت میں اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہو، ایک نمونہ ہے۔ ۱۶؎ اسی مؤقر ترین اور انتہائی مستند نمونے کو عملی زندگی کا زیور بنا کر آج بھی انسانیت اپنے گوہر مقصود کو پا سکتی ہے اور اس دنیا کو بھی جنت نشاں بنا سکتی ہے۔

سیرت طیبہ کی عظمت کا یہی احساس و شعور راقم الحروف کے لیے مہمیز بنا کہ خاتم الانبیا ﷺ کے ترسٹھ سالہ حیات پاک کے روزنامچوں سے کچھ اوراق ہدیۂ قارئین کرے تا کہ بلا فرق و امتیاز آدمؑ و حواؑ کی ہر اولاد اس کے نور سے اپنی تاریک زندگی کو روشن کر سکے جس کے نتیجے میں اس دنیا کی چند روزہ زندگی بھی سعادتوں سے معمور و معطر ہو جائے اور موت کے بعد کی ابدی زندگی کی لازوال نعمتوں کا توشہ بھی اس کے ہاتھ آ جائے۔

اللہ رب العزت کا ہزار ہا ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے محبوب ترین فرستادہ خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ پر یہ حقیر نذرانہ عقیدت پیش کرنے کا شرف عطا فرمایا۔

اپنے محسن، دانشور، ملت اسلامیہ کے تئیں اضطراب و فکرمندی میں مثل سیماب، بالخصوص مسلمانان ہند کی اصلاح حال اور روشن مستقبل کے نقیب اور انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد منظور عالم کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے ذریعہ سیرت نبوی ﷺ سے محبت کا عملی ثبوت دیا ہے۔ اللہ رب العزت انھیں اپنے سایۂ عافیت میں رکھے اور ملک و ملت کے لیے نافع تر بنا دے۔ آمین

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر نذرانے کو مجھ جیسے خطا کار کے لیے عشق رسول ﷺ کا سچا مظہر اور توشۂ آخرت بنا دے۔ آمین

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی
آمنہ منزل، فورٹ انکلیو، بر دلی روڈ
علی گڑھ

حوالے وحواشی:

۱۔ آل عمران:۳۱
۲۔ النساء:۸۰
۳۔ الکہف:۶
۴۔ فاطر:۸
۵۔ التوبۃ:۱۲۸
۶۔ القلم:۳-۴
۷۔ احمد بن حنبل: المسند احمد، ج۶،ص ۱۸۸
۸۔ عبدالملک بن ہشام: سیرۃ النبی، الجزء الاول،ص:۳۱۹، ۱۹۳۷ء، دارالفکر
۹۔ سید سلیمان ندوی: خطبات مدراس، ص ۷۱، طبع سوم، ۱۹۵۸ء، مطبع معارف، اعظم گڑھ
۱۰۔ محمد بن اسماعیل البخاری: الجامع الصحیح ،باب سورہ تبت یدا ابی لہب، ج۱، ص ۷۴۳، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی
۱۱۔ سید سلیمان ندوی: خطبات مدراس، ص:۵۶-۵۷
۱۲۔ سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، ص ۵۸
۱۳۔ سید سلیمان ندوی: خطبات مدراس، ص:۵۷
۱۴۔ William Montgomery Watt: Bell's Introduction to the Quran, 1972, London
۱۵۔ لقمان:۲۷
۱۶۔ الاحزاب:۲۱

☆☆☆

باب اول

قرآن مجید میں نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید محفوظ نوشتۂ ہدایت:

اسلام پوری انسانی برادری کے لیے اللہ رب العزت کی طرف سے عطا فرمودہ وہ انتہائی بیش قیمت نعمت ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی میں کافی وشافی راہنمائی دیتا ہے، جس کے نتیجے میں انسانوں کو اس دنیا میں ذمہ دار اور جوابدہ مخلوق کی حیثیت سے جینے کا سلیقہ آتا ہے اور ہمیشہ ہمیش کی زندگی کا توشہ راہ بھی میسر آتا ہے۔ قرآن مجید اسی مذہب اسلام کا وہ تحریری ضابطہ (Written Code) ہے جو پوری انسانیت کے لیے سراپا ہدایت[1]، تمام امراض میں بنی نوع انساں کے لیے شفا[2] اور قیامت تک وجود میں آنے والے تمام اولاد آدم وحوا کے لیے پیغام[3] ہے۔ اسی نوشتہ الٰہی کو تمام کتب الٰہیہ اور صحائف مقدسہ میں یہ شرف وامتیاز بھی حاصل ہے کہ اس کی حفاظت وصیانت کی خاص ذمہ داری اللہ رب العزت نے لی ہے[4] گویا قیامت تک جیسے بھی احوال وکوائف سے انسانوں کو سابقہ پڑے اور اعدائے اسلام کی طرف سے خواہ کتنی ہی گھناؤنی اور سنگین سازشیں کی جائیں، اس کتاب کے اندر کسی قسم کا کوئی تغیر وتبدل واقع نہیں ہوگا۔ اور بلا شک وریب یہ کتاب تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور ضلالت وگمراہی کے قعر سے نکال کر رشد وہدایت کی شاہراہ پر گامزن کرنے کا مقدس فریضہ انجام دیتی رہے گی۔

عظمت رب العالمین:

مذہب اسلام اور اس کا مستند ترین منشور (Manifesto) قرآن مجید اس ہستی برتر کی طرف سے نازل کردہ ہے جو رب العالمین[5] ہے، عزیز وحکیم[6] ہے، کھلے اور چھپے تمام امور وحقائق کا واقف کار ہے[7]، آسمانوں اور زمین کا مالک ہے[8] اور تمام موجودات کائنات جس کی ہمہ وقت تسبیح خوانی میں مصروف ہیں۔ یہ کتاب الٰہی اس ذات باری تعالیٰ کی نازل کردہ ہے جو الملک، القدوس، السلام، المومن، المھیمن، العزیز، الجبار اور المتکبر ہے۔ اور جس کی تعریف کے لیے اگر پوری دنیا کے درخت قلم بنا دیئے جائیں اور سارے سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی اس کی تعریف مکمل نہیں ہوسکتی چاہے سارے

درخت دنیا سے غائب ہو جائیں اور سارے سمندر خشک ہو جائیں۔ اس کے عطا کیے گئے کلام مقدس میں باری تعالیٰ کی عظمت کو ملاحظہ فرمایا جائے:

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ۔[9]

[زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی۔]

ایک جگہ اور انہی مشابہ الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے مجسم صفات ہستی کی تصویر کشی کی گئی ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا۔[10]

[اے نبی ﷺ! کہہ دیجیے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں، بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔]

ایک جگہ اللہ کی ذات، صفات اور اس کے بے مثل اور یگانہ روزگار ہونے کی بابت کلام اللہ ناطق ہے:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔[11]

[اے محمد ﷺ! کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے، یکتا، وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں، نہ اسی کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔]

اطاعت رسول ﷺ کی قرآنی سند:

پوری کائنات سے بے نیاز سرچشمہ صفات ذات کی جانب سے مبعوث کیے

گئے محمد عربی ﷺ کو بعثت سے قبل ہی اعداء اسلام نے امین وصادق کا خطاب دے دیا تھا اور یہ خطاب کسی تعصب و جانب داری پر مبنی نہیں تھا بلکہ محمد عربی ﷺ کی چالیس سالہ زندگی کے شب و روز کو دیکھنے اور پرکھنے کے بعد دیا گیا تھا۔ حرب فجار میں شرکت کر کے امن و آشتی کی صدا بلند کرنے کا واقعہ ہو، خانہ کعبہ کی شکستہ دیواروں کی مرمت کے وقت حجر اسود کو متعین مقام سے اٹھانے اور دوبارہ اسی جگہ پر رکھنے کے مسئلے میں خون خرابہ سے بچانے کی تدبیر ہو، جھوٹ، غیبت، چوری، ظلم اور دوسری تمام اخلاقی برائیوں سے مکمل اجتناب ہو، مخاطب معاشرہ کے سامنے مختلف احوال وکوائف میں اپنے آپ کو خدمت انسانیت کے لیے وقف کرنے کی بات ہو یا ماحول و معاشرہ سے کنارہ کش ہو کر معبود حقیقی کی پرستش کا منفرد انداز ہو، یہ سب احوال وکوائف اس حقیقت کے غماز ہیں کہ نبی عربی ﷺ کی زندگی کا کوئی بھی گوشہ اور آپ کے ترسٹھ سالہ روزنا مچوں کا کوئی بھی صفحہ انگشت نمائی کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔

نبوت کے بعد آپ کی حیات طیبہ اللہ رب العزت کی خاص عنایت وسرپرستی میں مزید ترصیقل ومنور ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل وعیال، احباب ورفقاء اور اغیار و اجانب تمام لوگوں کی زبانوں پر آپ کی شان وعظمت کے چرچے ہوتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ اور آپ کی دعوت کا مقابلہ کرنے والے، آپ کو اور آپ کے اصحاب کو تمام تر اذیتوں کا نشانہ بنانے والے اور اسلام کی شمع کو گل کرنے کی نمایاں کوششیں کرنے والے معتوب ہوئے اور قعر گمنامی میں جا گرے۔ ان کا نام اگر لیا جاتا ہے تو محض سبق عبرت کے طور پر ان اعدائے اسلام کے بالمقابل آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء کی مبارک جدوجہد کی پذیرائی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے کی گئی اور داعیٔ اعظم ﷺ کے لیے بالخصوص پروانہ مغفرت اسی دنیا میں ان الفاظ میں دے دیا گیا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْراً عَزِيزاً۔[۱۲]

[اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کردی تا کہ اللہ آپ کی
اگلی اور پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت کی
تکمیل کردے اور آپ کو سیدھا راستہ دکھائے اور آپ کو زبردست
نصرت بخشے۔]

تمام قسم کی خیرات وحسنات کے سرچشمہ حوض کوثر سے آپ ﷺ کو شرفیاب کیے جانے اور آپ کے بالمقابل آپ کے اعداء کے بے نام ونشاں ہونے سے متعلق یہ مژدۂ جانفزا ملتا ہے:

إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔ [۱۳]

[اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا پس آپ اپنے رب ہی
کے لیے نماز پڑھئے اور قربانی کیجیے آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔]

یہ حقیقت ہے کہ آج کوئی شخص اپنے آپ کو ابولہب، ابوجہل، عتبہ، اور ولید کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ ان اعدائے اسلام اور دشمنان انسانیت کی طرف کسی قسم کے انتساب میں وہ ذلت وتحقیر محسوس کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل ہر کلمہ گو محمدی کہلانا فخر محسوس کرتا ہے اور امت محمدیہ کے ایک حقیر فرد سے اس کو مخاطب کیا جائے، اس کو باعث شرف و سعادت قرار دیتا ہے۔ عقائد وعبادات میں، اذکار ونوافل میں، مسجد ومکتب کی مقدس چہار دیواریوں میں، گھر اور بازار میں، مکتب ومدرسہ میں، گویا تمام شعبہ ہائے زندگی میں نبی رحمت ﷺ کے ذکر اور سنت کے بغیر ذکر الٰہی تشنہ تکمیل رہتا ہے۔ آج حضور ﷺ کے ذریعہ برپا کیا گیا قلیل مدتی انقلاب اپنوں کے علاوہ غیروں کی طرف سے بھی خراج عقیدت حاصل کر رہا ہے۔ محمد عربی ﷺ کی حیات پاک پر اگر علمبرداران اسلام اور محبین رسول زبان وقلم کا اثاثہ خرچ کر رہے ہیں تو اغیار اور اعدائے اسلام بھی استغنا و بے نیازی نہیں برت رہے ہیں۔ ان کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر ہزاروں تصنیفات وتالیفات منظر عام پر آچکی ہیں اور ہنوز آپ ﷺ کی حیات

پاک اور آپ ﷺ کے مشن کی عظمت پر تالیف کتب کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو دیئے گئے دین اور اس کے منشور کی عظمت لوگوں کے اذہان وقلوب پر مرتسم ہورہی ہے۔ پوری دنیا میں اسلام کے ہدف ملامت اور نشانہ ستم بننے کے باوجود سینکڑوں لوگ عرب وعجم اور مشرق ومغرب میں حلقہ بگوش اسلام ہونے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ گویا رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد آپ کے ذریعہ مختصر مدت میں برپا کیا گیا انقلاب کسی نہ کسی جہت سے اپنوں اور غیروں میں شب وروز پذیرائی حاصل کررہا ہے اور تا قیامت آپ کو اس نسبت سے گلہائے عقیدت پیش کیے جاتے رہیں گے۔

ذیل کی آیات کریمہ میں ایک طرف اللہ رب العزت۔ کے احسانات وانعامات کا تذکرہ ہے تو دوسری طرف اس ذات بے ہمتا کی طرف سے نعت رسول ﷺ بھی مرقوم ہے:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔[۱۴]

[اے نبی ﷺ! کیا ہم نے آپ کا سینہ آپ کے لیے کھول نہیں دیا اور آپ پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا جو آپ کی کمر توڑے ڈال رہا تھا اور آپ ﷺ کا آوازہ بلند کردیا۔]

محمد رسول اللہ ﷺ کے ان مقدس بولوں کو دل سے ماننے اور زبان سے اقرار کیے بغیر ایک شخص قطعاً لا الٰہ الا اللہ کا پیامی وعلمبردار نہیں ہوسکتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پر ایمان معتبر ہی نہیں ہے جب تک اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لایا جائے۔ اس نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے وہ سینکڑوں قرآنی آیات زیر مطالعہ ہونی چاہیئے جن میں اللہ پر ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان کا مطالبہ ہوتا ہے[۱۵] اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ ہی ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا تقاضا ہوتا ہے۔

کفار ومشرکین کا یہ الزام وبہتان کہ محمد عربی ﷺ خود ساختہ یا گھڑا ہوا کلام پیش کرتے ہیں،

اس لیے (نعوذ باللہ) وہ گم گشتۂ راہ ہیں، اس پر لے درجے کے الزام پر اللہ رب العزت سخت گرفت کرتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کا مقام ان مقدس الفاظ میں مخاطب کے گوش گزار کراتا ہے:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى۔[۱۶]

[قسم ہے تارے کی جب کہ وہ غروب ہوا، تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔]

محبوب رب العالمین کی مدح سرائی وحی الٰہی کے ان مبارک الفاظ میں بھی ملاحظہ فرمائی جائے جن سے رسول ﷺ کے پایۂ عظمت پر سند بھی ملتی ہے، فرمان باری تعالی ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔[۱۷]

(اور جس نے اس رسول کی اطاعت کی، گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی)

اللہ سے محبت اہل ایمان کا بہت قیمتی سرمایہ ہے۔ اگر قلب وضمیر حب الٰہی کا نشیمن بن جائے تو ایک مومن بارگاہ رب العزت میں اپنی مکمل حوالگی وسپردگی کا عملی ثبوت پیش کرتا ہے۔ وہ سارے جہاں سے مخالفت مول لے سکتا ہے لیکن رب السموات والارض اور معبود حقیقی کی چاہت ومحبت کو ہی مرکز توجہ بناتا ہے اور یکسو ہو کر اسی کا ہو کر رہنے کا اعلان کرتا ہے۔[۱۸] اس کی نماز، قربانی، موت اور زندگی کی تمام تر مصروفیات و مشغولیات کا محور ومرکز سارے جہانوں کا رب ہوتا ہے۔[۱۹] اللہ کی محبت کو وطیرۂ حیات بنا کر زندگی گزارنے والا شخص مایوسی وقنوطیت کا شکار نہیں ہوتا، فانی زندگی کی مشکلات و مصائب محبت الٰہی کے تقاضوں کی تکمیل میں مانع نہیں ہوتیں اور محبت الٰہی کے اس سرمایے سے متمتع شخص کے لیے حیات جاوید کی مسرتوں کے حصول کا ایمان وایقان اس چند روزہ زندگی میں ایک کامیاب امتحان دہندہ بنا دیتا ہے اور نرم وگرم، خشک وتر، روشن و

تاریک، مثبت و منفی اور خوشگوار و ناخوشگوار احوال وکوائف کے باوجود بشاشت و زندہ دلی اور جرأت و بہادری کے ساتھ کارزار حیات میں جینے کا سبق سکھاتا ہے۔

حب الٰہی یا عشق الٰہی کا یہ پروانہ اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک کہ ترجمان وحی اور محبوب رب کائنات کے طریقہ زندگی کو ہر شعبۂ زندگی میں قابل تقلید نہ قرار دیا جائے۔ دنیا کے بڑے بڑے رہنماؤں، قائدین یہاں تک کہ اللہ رب العزت کی طرف سے مبعوث کیے گئے انبیاء کرام کی بعثت مخصوص قوم اور محدود خطہ ارض کے لیے تھی، اس لیے ان کے سوانحی احوال کوائف میں کاملیت و جامعیت نہیں پائی جاتی اور دوسرے یہ کہ ان چیدہ اور مقدس ہستیوں کے احوال زندگی محفوظ بھی نہیں رہے۔ اس کے بالمقابل صرف اور صرف تاجدار انبیاء اور خاتم المرسلین ﷺ کی ہی سیرت طیبہ رنگ و نسل، برادری و جمعیت اور جغرافیائی دوری وتحدید اوقات سے پرے تمام انسانوں کے لیے اور تمام خطہ ہائے عالم کے لے سرچشمہ ہدایت ہے۔ اس لیے محبت الٰہی کے حصول کا راز صرف اور صرف اس امر واقعہ میں مضمر ہے کہ بلا قید وشرط رسول اللہ ﷺ کی اتباع وتقلید کو لائحہ عمل قرار دیا جائے۔ اتباع رسول محبت الٰہی کی شرط ہے۔ اس سلسلے میں اللہ رب العزت کا یہ نعتیہ فرمان ملاحظہ فرمایئے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔[۲۰]

[اے نبیؐ، لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔]

دعوت کا کام عظیم الشان کام ہے۔ قرآن اس کے معزز وپُروقار ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ ایمان کے حلقے میں آنے والے ہر فرد پر اس کی حیثیت وبساط کے مطابق یہ فریضہ عائد ہوتا ہے۔ خیر امت[۲۱]، امت وسط اور شہداء علی الناس[۲۲] کے القاب سے نوازا جانے والا گروہ مومنین دعوت دین کا مکلّف ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ

ہوگا کہ امت محمدیہ سے موسوم اس گروہ مومنین کی شناخت اس مقدس فریضے کی انجام دہی میں مضمر ہے۔ دعوتِ حق کا کام کرنے والوں کے لیے مدعو فرد اور مدعو معاشرہ کے تئیں جب تک اخلاص نہ ہو اور اخروی زندگی میں ان کے انجام بد کے تئیں جب تک قلق و اضطراب نہ ہو، دعوت اپنا اثر نہیں دکھاتی۔ سرور عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے اس پہلو پر خدائی فرمودات میں جہاں عظمت رسول کا پہلو ناطق نظر آتا ہے وہیں امت محمدیہ کے فرزندوں کو دعوت حق کی اثر انگیزی کی بابت نقوش راہ بھی ملتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ ہدایت تامہ اور دین کامل کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے، کتاب اللہ اس سلسلے میں وضاحت کرتی ہے کہ ادیان و مذاہب کی کہکشاں میں دین اسلام محض اضافہ کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ تمام ادیان و مذاہب پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس مبارک مہم کے اول مخاطب و مکلّف تھے۔ اس سلسلے میں تمام پیغمبران خدا کے برعکس دین حق کے اظہار و غلبہ کے تعلق سے اس ربانی فرمان میں عظمت رسول ﷺ کا درخشاں پہلو ناطق ہے:

هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔[۲۳]

(وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردیں، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔)

داعیانہ اضطراب پر الٰہی فرمودات:

دین حق کی اعلانیہ دعوت کا حکم پاتے ہی رسول اکرم ﷺ نے اس کارِ عظیم کا بیڑا اٹھایا اور مخاطب معاشرہ کی طرف سے تمام قسم کے آلام و مصائب کا نشانہ بننے کے باوجود آپ کے پایۂ ثبات میں ذرہ برابر بھی لغزش نہیں آئی۔ بلکہ مخالفتوں کے طوفان میں مدعوین کے تئیں مزید تر ہدایت کے حریص بنتے گئے اور ان کی روش بد کے سنگین انجام سے مثل سیماب ہوتے گئے۔ خاتم الانبیاء ﷺ کی سیرت پاک کے اس درخشاں پہلو پر

خدائے بزرگ و برتر کی نعت گوئی قابل ملاحظہ ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔[۲۴]

(تم لوگوں کے پاس ایک رسول آ گیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا، اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔ اب اگر تم سے یہ لوگ منھ پھیرتے ہیں تو اے نبی ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ 'میرے لیے اللہ کافی ہے۔ کوئی معبود نہیں، مگر وہ۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔)

دعوت دین کے مقدس مشن میں ضلالت و گمراہی میں پڑے انسانوں کے تئیں ہمدردی و محبت کا جو جذبہ آپ کے دل میں موجزن تھا، وہ صرف ہادیٔ اعظم اور رحمت عالم کے ہی شایان شان تھا۔ اگرچہ آپ ﷺ اور آپ کے احباب و رفقاء مخاطب معاشرہ کی طرف سے دلدوز دھمکیوں اور طرح طرح کی ایذا رسانیوں کا ہدف بنتے ہیں۔ اس کے باوجود ضلالت و گمراہی کے راستے پر ان کے اصرار اور اس کے نتیجے میں ان کی ہلاکت و بربادی پر بے قرار و مضطرب رہتے ہیں۔ داعیانہ ذمہ داریوں کی انجام دہی اور مدعو معاشرہ کے تئیں آپ ﷺ کے انتہائی قلق و اضطراب کی تصویر کشی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا۔[۲۵]

[اچھا تو اے نبی ﷺ! شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہیں، اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔]

مشرکین مکہ ضد و عناد اور تکبر و تعلی میں اپنی مثال آپ تھے۔ کفر و شرک سے ان

کے تمسک واصرار اور اللہ کے دین سے بغاوت وسرکشی کا یہ عالم تھا کہ ان کے مطالبات اور فرمائشوں کے مطابق اگر پہاڑ اپنی جگہ سے چلا دیئے جاتے، جغرافیائی دوریاں سمیٹ لی جاتیں اور مردوں کو زندہ کردیا جاتا تب بھی یہ مان کر دینے والے نہیں تھے۔[۲۶] اسی طرح اگر ان کی ناز برداری اور اصرار بے جا پر نظر عنایت کرتے ہوئے آسمان سے ایک کتاب ان کی نگاہوں کے سامنے اتار دی جاتی اور وہ اسے چھو کر بھی دیکھ لیتے تو وہ بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ اسے سحر سے تعبیر کرتے[۲۷] یہاں تک کہ اگر آسمان کا دروازہ ان کے لیے کھول دیا جاتا اور وہ اس دروازے سے آسمان کی بلندیوں پر بھی کمندیں ڈال دیتے تو وہ الٹا الزام یہ دیتے کہ ان کو نشے میں بدمست کردیا گیا ہے یا پھر ان پر سحر کردیا گیا ہے۔[۲۸]

گویا مخاطب معاشرہ کسی بھی قیمت پر لا الٰہ کی اس انقلابی فکر کو انگیز کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ رحمت عالم ﷺ اور دیگر شیدایان اسلام کو ان کی جانب سے مظالم و شدائد کے طوفان سے سابقہ تھا اور وہ ان نفوس قدسیہ کی جان کے دشمن بنے ہوئے تھے پھر بھی محسن انسانیت ﷺ کے قلب وضمیر میں کفر وشرک کے علمبرداروں کے تئیں ہمدردی ومحبت اور رحمت ورافت کا قلعہ تعمیر تھا۔ ایسا لگتا تھا گویا رسول اکرم ﷺ ان کے پیچھے اپنی جان گنوا دیں گے۔ مدعوین کے تمرد وسرکشی اور اس کے سنگین ومہلک نتائج پر آپ ﷺ کو جو قلق واضطراب لاحق تھا، اس پر اللہ رب العزت کو بھی ملال آجاتا ہے۔ چنانچہ اپنے نبی کی تسکین قلب کا سامان اللہ رب العزت نے ان الفاظ میں کیا ہے:

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۔[۲۹]

[پس اے نبی ﷺ! آپ کی جان ان لوگوں کے پیچھے غم وافسوس کے مارے نہ چلی جائے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔]

قبولیت دین کے سلسلے میں جبر واکراہ اسلام میں جائز نہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی

ترسٹھ سالہ حیات طیبہ میں کسی بھی زاویے سے منافیٔ اسلام اور خلاف شان عمل کا ثبوت نہیں ملتا۔ ہاں چوں کہ بے پناہ شفقت ومحبت اور ہمدردیٔ وغمگساری کے جذبات آپ ﷺ کے دل دردمند میں پیوست تھے، اس لیے طلب ہدایت اور قبول حق کے سلسلے میں مخاطبین کے تئیں آپ ﷺ الحاح واصرار کی روش پر گامزن تھے اور فریضے کی انجام دہی میں اس قدر حساسیت آپ ﷺ کی شخصیت میں جلوہ گر تھی جو احساس تقصیر پر مجبور کر رہی تھی۔ اس پر اللہ رب العزت نے فریضہ دعوت سے متعلق آپ ﷺ کی ذمہ داریوں کو متعدد مقامات[۳۰] پر دو الفاظ 'بشیر ونذیر' کا جامہ پہنایا۔ ایک جگہ نبوت کے کارِ عظیم سے متعلق آپ ﷺ کا مقام واضح کیا جاتا ہے اور دوسری طرف آپ کی طرف سے اتمام حجت پر مہر تصدیق ثبت کی جاتی ہے:

إِنَّـا أَرۡسَـلۡـنٰكَ بِـالۡـحَـقِّ بَشِيۡـراً وَّنَـذِيۡراً وَّلَا تُسۡئَلُ عَنۡ أَصۡحَابِ الۡجَحِيۡمِ ۔[۳۱]

[ہم نے آپ کو علم حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ جہنم والوں کے سلسلے میں آپ سے باز پرس نہ کی جائے گی۔]

ایک جگہ منصب رسالت کی ذمہ داری سے متعلق فرمان صادر ہوتا ہے:

إِنَّا أَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡراً وَّنَذِيۡراً وَإِنۡ مِّنۡ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ۔[۳۲]

[ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ اور کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔]

کار نبوت کی بدرجہ اتم انجام دہی کا احساس آپ کو مثل سیماب بنائے ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اعزہ واقرباء اور اغیار واجانب تمام ہی لوگوں کے لیے آپ خواہاں وفکر مند تھے کہ شاہراہ ہدایت پر وہ گامزن ہو جائیں اور اس طرح ہمیشہ ہمیش کی فوز وفلاح کی کلید

ان کے ہاتھوں میں آجائے۔ اس جذبہ صادق اور بے پناہ تڑپ پر انتہائی پیار بھرے انداز میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب بناتا ہے اور رشد و ہدایت کی نعمت غیر مترقبہ کے حصول سے متعلق اصول کو اپنے محبوب کے گوش گزار کرتا ہے۔ فرمان باری تعالی ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔[۳۳]

[اے نبی ﷺ! بالیقین آپ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔]

دعوت حق کی بابت حضور کے اخلاص واضطراب اور ہدایت سے متعلق خدائی اصول کی وضاحت بیسویں صدی کے ممتاز ومعروف مفسر قرآن کی ان عبارتوں سے ہوتی ہے:

''اگر چہ حضور کی دلی خواہش تو ہر بندۂ خدا کو راہ راست پر لانے کی تھی، لیکن سب سے بڑھ کر اگر کسی شخص کا کفر پر خاتمہ حضور کو شاق ہوسکتا تھا اور ذاتی محبت وتعلق کی بنا پر سب سے زیادہ کسی شخص کی ہدایت کے آپ آرزومند ہوسکتے تھے، تو وہ ابو طالب تھے، لیکن جب ان کو بھی ہدایت دینے پر آپ قادر نہ ہوئے تو یہ بات بالکل ظاہر ہوگئی کہ کسی کو ہدایت بخشنا اور کسی کو اس سے محروم رکھنا نبی کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ معاملہ بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ کے ہاں سے یہ دولت کسی رشتہ داری و برادری کی بنا پر نہیں بلکہ آدمی کی قبولیت واستعداد اور مخلصانہ صداقت پسندی کی بنا پر عطا ہوتی ہے''۔[۳۴]

عالم انسانیت کے عظیم ترین نجات دہندہ:

حضور اکرم ﷺ کی جو تعریفیں اس ذات باری تعالیٰ کی طرف سے کی گئی ہیں ان

میں مہتم بالشان تعریف وہ ہے جس میں یہ اعلامیہ جاری ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ سارے جہانوں کے لیے رحمت کی حیثیت سے ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہوتا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ [۳۵]

[اور ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔]

اس آیت کریمہ کی وضاحت میں ایک معروف مفسر قرآن رقم طراز ہیں:

''عالمین، عالم کی جمع ہے جس میں ساری مخلوقات، انسان، جن، حیوانات، نباتات، جمادات سبھی داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ان سب چیزوں کے لیے رحمت ہونا اس طرح ہے کہ تمام کائنات کی حقیقی روح اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت زمین سے یہ روح نکل جائے گی اور زمین پر کوئی اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو ان سب چیزوں کی موت یعنی قیامت آ جائے گی۔ اور جب ذکر اللہ وعبادت ان سب چیزوں کی روح ہونا معلوم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کا ان سب چیزوں کے لیے رحمت ہونا خود بخود ظاہر ہو گیا، کیوں کہ اس دنیا میں قیامت تک ذکر اللہ اور عبادت آپ ہی کے دم قدم اور تعلیمات سے قائم ہے''۔ [۳۶]

آپ کے 'رحمۃ للعالمین' ہونے سے متعلق باری تعالیٰ کا یہ فخریہ اعلان آپ کو کم وبیش سوا لاکھ انبیاء ورسل میں تفوق وبرتری کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں مبعوث کیے گئے انبیاء ورسل میں بارگاہ رب العزت کی طرف سے صرف نبی اکرم ﷺ کو یہ پروانہ ملا کہ وہ سارے جہاں کے لیے رحمت ہیں۔ خواہ یہ زمینی جہاں ہو یا سمندری جہاں، فضائی جہاں ہو یا آسمانی جہاں، یا پھر وہ جہاں جو ہمیشہ ہمیش کی جہاں ہے، گویا ان سب جہانوں کے لیے جن تک انسان کی عقل وفہم کی رسائی ہے اور ان جہانوں کے لیے بھی جو انسان کے فہم وادراک سے بالا ہیں، آپ ﷺ کی شخصیت گویا تمام

جہانوں کے لیے شرف وسعادت اور سراپا رحمت ورافت ہے۔

آپ ﷺ کی شخصیت میں مخاطبین ومصاحبین کے لیے نرمی ورافت اور ہمدرد وغمگساری کے جو قابل رشک محاسن تھے، ان سے اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی فیض اٹھایا اور سب کے لیے آپ کی رحمت کا فیض عام تھا۔ رقت قلبی اور عفوودرگزر کی جو بے پناہ صفت سے آپ کی ذات اقدس متصف تھی، اس کا ذکر خیر اللہ رب العالمین اس طرح فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۔[۳۷]

(اے نبی ﷺ! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں، ورنہ اگر کہیں آپ تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپ کے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کردیجیے۔ ان کے حق میں دعائے مغفرت کیجیے اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھیے۔)

ایک آئیڈیل انسان، ایک آئیڈیل رسول، عظیم ترین داعئ حق، انسانیت کے عظیم ترین نجات دہندہ اور شریعت مطہرہ کے دوسرے ماخذ یعنی قانون ساز کی حیثیت سے آپ ﷺ کی رحمت کے جلووں سے قرآن مجید کے صفحات آراستہ وپیراستہ نظر آتے ہیں۔ ایک بدو کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ کی سب سے زیادہ چہیتی زوجہ مطہرہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب کہ پورا قرآن آپ کے اخلاق حسنہ کی تصویر کشی ہے، حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کی درخشاں اور گوناگوں پہلوؤں پر مہر تصدیق ہے۔ ذیل کی آیت کریمہ میں داعئ اعظم اور قانون ساز ہونے کی حیثیت سے رسول اکرم ﷺ کا جودوسخا اور رحم وکرم واضح ہے۔ اللہ رب العزت کی یہ مدحت رسول ﷺ قابل ملاحظہ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ وَيَضَعُ عَنهم اِصْرَهُمْ والاغلٰلَ التى كانت عَلَيْهِمْ فَالَّذين آمنوا بهٖ وعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰئك هُمُ الْمُفْلِحُوْن۔۳۸

[پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں جن کا ذکر انھیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انھیں نیکی کا حکم دیتے ہیں، بدی سے روکتے ہیں ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتے ہیں جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتے ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور ان کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو ان کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔]

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ رب العزت اپنے رسول ﷺ کا تعارف کراتے ہوئے فرماتا ہے کہ امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے گروہ ہوں یا کسی اور امت اور قوم سے متعلق افراد و جماعتیں ہوں، ہر ایک کی کامیابی کا دار و مدار اس پر ہے کہ وہ نبی امی ﷺ کا تابع ہو جائے اور اس کے طریقے کو اصل کامیابی کے لیے توشۂ راہ بنالے۔ اس نبی ﷺ کی عظمت کا راز اس امر واقعہ میں پنہاں ہے کہ وہ خیرات و حسنات کا پیامی اور منکرات و سیئات سے نالاں و متنفر ہے اور ذلت و محکومی اور شرک و بت پرستی کی لعنتوں میں گرفتار اور طوق سلاسل میں جکڑی ہوئی انسانیت کی مسیحائی کا سچا علمبردار ہے۔

سیرت طیبہ عالمگیر اسوہ:

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق فاضلہ اور اقدار عالیہ خواہ وہ بعثت نبوی سے قبل کے ہوں یا بعثت نبوی کے بعد کے، خویش و اقارب ہوں یا اغیار و اجانب اور عوام ہوں یا خواص، کسی کے لیے اور کسی بھی زاویے سے قابل گرفت نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کا مقصد ہی یہ تھا کہ اخلاق کے اعلیٰ مدارج کی تکمیل کر دیں۔[۳۹] حیات طیبہ کے ترسٹھ سالہ شب و روز کے معمولات و مصروفیات، شمائل و خصائص، عوام و خواص اور اقارب و اجانب کے ساتھ سلوک و برتاؤ، گویا کہ زندگی کا ایک ایک لحظہ علیم و خبیر ذات کے حیطۂ علم میں ہے۔ چنانچہ اخلاق نبوی ﷺ کی بابت اللہ رب العزت کی سند کا کوئی ثانی نہیں ہوسکتا۔ فرمان باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔[۴۰]

(بے شک آپ ﷺ اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز ہیں۔)

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب السموات والارض نے آپ ﷺ کی سیرت کو دنیا کے ان تمام انسانوں کے لیے اسوہ بنادیا جو دیدار الٰہی کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہوں اور آخرت کی ابدی زندگی کی لذتوں سے ہمکنار ہونا چاہتے ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً۔[۴۱]

[درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ (کی زندگی) میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔]

تمام انبیاء و رسل میں محمد عربی ﷺ کا امتیاز اس امر میں بھی پنہاں ہے کہ آپ ﷺ انبیائی بعثت مبارکہ کے مقدس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا اور نہ ہی کسی نبی کی ضرورت ہے اس لیے کہ جس طرح قرآن مجید پوری انسانیت

کے لیے ہے اور زندگی کے تمام معاملات سے متعلق اس میں کافی وشافی رہنمائی ہے اور یہ کہ یہ رہتی دنیا تک کے لیے تغیر وتبدل سے پاک اور محفوظ و مامون ہے، اسی طرح آپ ﷺ پوری دنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کو قرآن مبین کی تفسیر کا درجہ حاصل ہے اور زندگی کا ہر گوشہ آپ کی تعلیمات سے روشن ہے اور قیامت تک کے لیے آپ ﷺ کے فدائیوں کے ذریعہ آپ ﷺ کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو محفوظ کر لیا گیا ہے اور اس کی اشاعت کا سلسلہ روز افزوں ہے، گویا آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ نے انبیائی بعثت کی ضرورت کو ختم کر دیا۔

محمد عربی ﷺ کے رسول ہونے اور تمام انبیاء کے سردار ہونے کی عظمت کو ایک جگہ قرآن مجید میں یوں واضح کیا گیا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً۔[۴۲]

[محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔]

خاتم النبیین سے متعلق ایک مفسر قرآن کی وضاحت کے مطابق ''ان کے بعد کوئی رسول تو درکنار کوئی نبی تک آنے والا نہیں ہے کہ اگر قانون اور معاشرے کی کوئی اصلاح ان کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا نبی یہ کسر پوری کر دے''۔[۴۳]

اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ زندگی ہے جو پوری انسانیت کو نعمت عظمیٰ کے طور پر عطا کیا گیا ہے۔ بارگاہ ایزدی میں اسی دین کو قبولیت کا شرف حاصل ہے۔ ایسا دین جو زمان ومکان کی قید سے آزاد اور جغرافیائی حد بندیوں سے مافوق ہے، سرکار دو عالم ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو ملا۔ دین کی عظیم ترین سعادت سے متمتع ہونے کا واحد اور مستند ترین ذریعہ محبوب رب کائنات ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے اس عظیم ترین نعمت کے انتساب کے تعلق سے خدائے رحمان ورحیم کا اعلان ہوتا ہے:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا۔[۴۴]

[آج میں نے آپ کے لیے آپ کے دین کو مکمل کر دیا اور آپ پر اپنی نعمت تمام کر دی اور آپ کے لیے طریقہ زندگی کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔]

نبی عربی ﷺ پر رب العالمین کی عنایت خاصہ:

دین حق کے غلبہ واستیلاء کا مشن لیے ہوئے نبی کریم ﷺ اور آپ کے احباب ورفقاء ابتلاء وآزمائش کے سنگین مرحلوں سے گزرے۔ سب وشتم اور طعن وتشنیع کا نشانہ بنا پڑا۔ فاقہ کشی کی نوبت آئی، قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں، آلام ومصائب کی بھٹیوں میں جلنا پڑا، شریکہ حیات کے فراق کا غم جھیلنا پڑا، یہاں تک کہ اولاد نرینہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑا جس کی بنا پر اعداء اسلام نے اس اذیت ناک طعنہ سے بھی گریز نہیں کیا کہ محمد ﷺ اب تو گمنام، بے نسل اور جڑ کٹے ہو گئے ہیں، اب دنیا میں ان کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہے گا۔ ایسے حالات میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو محبوب بارگاہ اور اپنی عنایت خاصہ کے مرکز ومحور کی حیثیت سے مخاطب کرتا ہے:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔[۴۵]

(اے نبی! ہم نے آپ کو کوثر عطا کر دیا پس آپ اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔ آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے)

نبی عربی ﷺ کے ذریعہ خدا کا دین ملا، اس کا نوشتہ ہدایت ملا اور آپ کی سیرت مبارکہ ملی، گویا وہ صاف وشفاف اور محکم ومستند طریقۂ زندگی ملا جس سے تمسک اختیار کرنے کے بعد آدمی کو انسان کی حیثیت سے جینے کا سلیقہ آتا ہے۔ اور پھر وہ آخرت کی ابدی زندگی کی مسرتوں کا سامان بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کروڑوں افراد شب وروز کی مصروفیات میں درود وسلام کو توشۂ آخرت سمجھ کر حرزِ جاں بناتے ہیں اور اس مقدس

عمل سے اپنا رشتہ استوار کرنے کو دونوں جہاں کی سعادت و کامرانی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اللہ کے فرشتے دعا گو رہتے ہیں اور اس مقدس عمل میں اللہ رب العالمین کی ذات بھی شریک و سہیم ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ پر دعاء و رحمت اور درود و سلام سے متعلق احکم الحاکمین کا یہ فخریہ اعلان بھی مدحت رسول ﷺ پر ناطق ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[۲۶]

[اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔]

خلاصۂ مبحث:

قرآن مجید عالمگیر ضابطۂ زندگی اور اسلام کا وہ مستند ترین آفاقی منشور ہے جو محمد عربی ﷺ کو پوری انسانیت کی ہدایت کے لیے دیا گیا۔ اس کتاب کی روشن تعلیمات نے بادیۂ نشینان عرب کی زندگیوں میں وہ انقلاب برپا کر دیا تھا جس کی مثال دنیا پیش کرنے سے عاجز و کوتاہ ہے۔ امت محمدیہ کی یہ بڑی سعادت ہے کہ صرف اور صرف خدا کے عطا فرمودہ اسی نوشتۂ ہدایت کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا اور حرف بہ حرف آج اسی شکل میں محفوظ و مامون ہے جو اپنے زمانہ نزول میں تھا اور قیامت تک چوں کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی کتاب آئے گی اس لیے قیامت تک یہ کتاب تغیر و تبدل سے پاک ہو کر منارۂ نور بنی رہے گی اور انسانیت کی ہدایت کا مقدس فریضہ انجام دیتی رہے گی۔

خاتم المرسلین محمد عربی ﷺ اس نوشتۂ ہدایت کے اولین مخاطب ہیں جن پر ایمان لائے بغیر اللہ پر ایمان معتبر نہیں ہے۔ ایک آئیڈیل انسان بلکہ ایک آئیڈیل نبی کے جو محامد و محاسن ہو سکتے ہیں، ان سب کا مجموعہ اس کلام مقدس میں حبیب خدا کی ذات کو بتایا گیا ہے۔ اگرچہ مدحت رسول ﷺ اپنوں کے علاوہ غیروں کا بھی دلچسپ موضوع رہا ہے۔ کفر و شرک کے علمبرداروں نے بعثت نبوی سے قبل ہی آپ کو امین اور صادق کا لقب

دے دیا تھا۔ احباب ورفقاء نے بے چوں وچرا آپ ﷺ کی عظمت پر مہر لگا دی تھی۔ آپ کی محبوب ترین رفیقہ حیات ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کے اخلاق وکردار کو قرآن کی تفسیر سے موسوم کر دیا تھا۔ گویا احباب ورفقا اور اغیار واجانب دونوں طرف سے مدحت رسول ﷺ کا سلسلہ سوا چودہ سو سال پیشتر سے جاری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک انسانیت کے اس محسن اعظم ﷺ کو منثور ومنظوم کلام میں خراج عقیدت پیش کیا جاتا رہے گا۔

مدحت نبی ﷺ یا نعت رسول پاک جو قرآن میں سرچشمہ صفات ذات باری تعالیٰ کی طرف سے پیش کی گئی ہے، وہ بلاشبہ نعت رسول ﷺ کے تمام شہہ پاروں میں اولیت وافضلیت کا مقام رکھتی ہے۔ یہ نعت نبی یا مدحت رسول ایسی ہستی برتر کی طرف سے ہے جو آسمانوں اور زمین کے اصل مالک، بادشاہ اصلی اور معبود حقیقی ہے، جو عزیز و جبار بھی ہے، اور رحمان ورحیم بھی، حکیم وخبیر بھی ہے اور علیم وقدیر بھی، جس کی حمد وثنا کے لیے روئے زمین کے تمام درختوں کو قلم اور تمام سمندروں کو روشنائی بنا دیا جائے تو یہ سچ ہے کہ سارے درخت ناپید ہو جائیں اور سارے سمندر خشک ہو جائیں لیکن رب ذوالجلال کی تعریف وتوصیف ختم نہیں ہو سکتی۔ محمد عربی ﷺ کو محض اللہ کے رسول ہونے کا شرف حاصل نہیں بلکہ آپ سرور کونین، امام الانبیاء اور خاتم المرسلین ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مقام محمود کی یقین دہانی، اگلے اور پچھلے تمام لغزشوں کی معافی کا پروانہ، آپ کی دعوت صالحہ کے مخالفین کا قعر گمنامی میں جا گرنے کا اعلان اور آپ کو 'کوثر' عطا کرنے اور آپ کے نام کا آوازہ بلند کرنے کا وعدہ، وحی الٰہی کے ترجمان ہونے کا بیان آپ کی اتباع میں محبت الٰہی کی سند کا اعزاز پانے کی انسانیت کو نوید مسرت، ضلالت وگمراہی کے قعر میں انسانیت کے بھٹکنے پر آپ ﷺ کے قلق واضطراب اور ہدایت کے باب میں حریص ہونے کی پذیرائی، اخلاق عالیہ کی بلندی پر فائز ہونے اور سارے جہانوں کے لیے رحمت ورافت ہونے سے متعلق اللہ رب العزت کا دوٹوک ارشاد، بلافرق وامتیاز رنگ ونسل پوری انسانی برادری کے لیے آپ کی سیرت پاک کے اسوہ

ہونے کی سند اور انسانوں اور فرشتوں کے ذریعہ ارسال درود و سلام جیسے مقدس عمل میں خود اللہ رب العالمین کی شرکت، یہ سب خاتم المرسلین رحمت عالم ﷺ کی منقبت میں درخشاں قرآنی حقائق ہیں جن کی روشنی میں ایک طرف عاشق و معشوق اور عبد و معبود کے گہرے رشتے کی عکاسی ہوتی ہے تو دوسری طرف اصلاح و فلاح کے خوگر و خواہاں بنی نوع انساں کو چاہے وہ کسی بھی رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہو اور وہ کسی بھی خطۂ ارض کا باشندہ ہو، ایک ایسی ہستی کی سیرت میسر آتی ہے جس کے ہر ہر پہلو پر اللہ رب العزت کی مہر تصدیق ثبت ہوتی ہے۔

☆☆☆

حوالے وحواشی:

۱ البقرہ:۲،آل عمران:۱۳۸
۲ یونس:۵۷،الاسراء:۸۲،فصلت:۴۴
۳ ابراہیم:۵۲
۴ الحجر:۹
۵ الفاتحہ:۲،البقرہ:۱۳۱،المائدہ:۲۸
۶ الجاثیہ:۲،۳،۷،الحدید:۱،الحشر:۱
۷ الحشر:۲۲
۸ بطور مثال ملاحظہ فرمائیں،البقرہ:۱۰۷،آل عمران:۱۸۹،الاعراف:۱۵۸
۹ لقمان:۲۷
۱۰ الکہف:۱۰۹
۱۱ الاخلاص:۱۔۴
۱۲ الفتح:۱۔۳
۱۳ الکوثر:۱۰۳
۱۴ الم نشرح:۱۔۴
۱۵ بطور مثال ملاحظہ فرمائیں،النساء:۱۳،۱۳۶،الاعراف:۱۵۸،الانعام:۱،النور:۵۲،۶۲،الحجرات:۱۵،الصف:۱۱،التغابن:۸
۱۶ النجم:۱۔۴
۱۷ النساء:۸۰
۱۸ الانعام:۷۹
۱۹ الانعام:۱۶۲
۲۰ آل عمران:۳۱
۲۱ آل عمران:۱۱۰
۲۲ البقرہ:۱۴۳
۲۳ الصف:۹
۲۴ التوبۃ:۱۲۸۔۱۲۹
۲۵ الکہف:۶
۲۶ الرعد:۳۱
۲۷ الانعام:۲۸
۲۸ الحجر:۱۴۔۱۵
۲۹ فاطر:۸
۳۰ بطور مثال ملاحظہ فرمائیں،سبا:۲۸،فاطر:۲۴،الاسراء:۱۰۵،الفرقان:۵۶،الاحزاب:۴۵،الفتح:۸

۳۱۔ البقرہ:۱۱۹ ۳۲۔ فاطر:۲۴
۳۳۔ القصص:۵۶
۳۴۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۶۵۱، جون ۲۰۰۴ء، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی
۳۵۔ الانبیاء:۱۰۷
۳۶۔ مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، ج ششم، ص ۲۲۱۔۲۲۲، المکتبہ المصطفائیہ، دیوبند
۳۷۔ آل عمران:۱۵۹ ۳۸۔ الاعراف:۱۵۷
۳۹۔ حدیث نبوی ۴۰۔ القلم:۴
۴۱۔ الاحزاب:۲۱ ۴۲۔ الاحزاب:۴۰
۴۳۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۱۰۳، طبع دوم ۱۹۶۹ء، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی
۴۴۔ المائدہ:۳ ۴۵۔ الکوثر:۱۔۳
۴۶۔ الاحزاب:۵۶

☆☆☆

باب دوم

قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ کا داعیانہ کردار

قرآن مجید نبوت محمدی ﷺ کا عظیم ترین معجزہ:

سرورِ کونین محمد عربی ﷺ انبیائی بعثت مبارکہ کی آخری کڑی ہیں جو مخصوص خطہ ارض یا گروہ انسانی کے لیے نہیں بلکہ رنگ و نسل اور قوم و وطن کے تمام حدود و قیود سے بالا پوری انسانی برادری کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہیں، بلکہ آپ کی بعثت رب العالمین کی طرف سے تمام موجودات وخلائق کے لیے سراپا رحمت[1] قرار دی جاتی ہے۔ قرآن مجید کا نزول تمام معجزات نبوی ﷺ میں اعلیٰ و افضل ہے، جس نے زندگی کے اصولوں سے نابلد اور جہالت وسفاکیت میں بے مثل بادیہ نشینان عرب کی زندگیوں کو انقلاب آشنا کر دیا جنھوں نے دنیا کو زندگی کے زریں اصول بتائے اور سیادت وحکمرانی کے قیمتی گر سکھا دیئے۔ یہ قرآن مجید کے اعجاز کا وہ پہلو تھا جسے فکری یا نظریاتی (Ideological) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قرآن مجید کے اعجاز کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کتاب عزیز نے زبان و بیان کے اماموں اور فصاحت و بلاغت کے پیشواؤں کو مبہوت کر دیا، قرآن کے انداز و اسلوب کے سامنے ان کی قوت فصاحت ہوا ہوگئی اور پے در پے قرآنی چیلنجز[2] نے ان کو ذلت آمیز شکست وہزیمت سے دوچار کر دیا۔

قرآن مجید منزل من اللہ[3]، آفاقی و عالمگیر[4]، علوم ومعارف کا خزینۂ بے بہا، بیان و ادب کا لاثانی نمونہ[5]، رحمت و رافت کا انمول تحفہ[6]، ہدایت و رہنمائی کا لاثانی سرچشمہ[7] اور تغیر وتبدل سے پاک قیامت تک کے لیے محفوظ و مامون[8] نوشتۂ ہدایت ہے۔ نبوت محمدی ﷺ کے پایۂ عظمت کا استناد اس صداقت میں مضمر ہے کہ ایسا مافوق البشر کلام آپ پر نازل ہوا۔ یوں تو عزیز وحکیم اور علیم وخبیر ہستی کی طرف سے اتاری گئی پوری کتاب سیرت نبوی ﷺ کی اہم ترین دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم اس کتاب عزیز میں سرورِ کونین ﷺ کی عظیم ترین داعیانہ حیثیت محوری کردار کی حیثیت سے جگہ جگہ پورے آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں بندگانِ خدا اور دنیائے انسانیت کو راہ راست پر لانے اور دونوں جہاں کی سعادت وکامرانی سے متعلق آپ کے فرض منصبی کی تعیین بشیر ونذیر اور مبشر ومنذر سے بھی کی گئی ہے۔

رسول اکرم بحیثیت داعئ حق:

قرآن وسنت کی روشنی میں یہ صداقت انتہائی آشکارا اور درخشاں ہے کہ یہ دنیا دارالعمل ہے بلکہ دارالامتحان ہے[9] اس دارالامتحان کو تمام ناگزیر اسباب وعلل اور ظاہری و معنوی اوصاف ووسائل سے آراستہ کیا گیا ہے تاکہ اس کائنات کے شاہکار اور اس امتحان گاہ کے اصل امتحان دہندہ انسانوں کے خلاف اللہ رب العزت کی حجت قائم ہوجائے۔ چنانچہ انسانیت کے اس عظیم ترین نجات دہندہ کی حیثیت کو سینکڑوں[10] مقامات پر مبشر اور منذر کی حیثیت سے تشت از بام کیا گیا ہے۔ ذیل کے چند ارشادات ربانی سے اس موقف کی وضاحت ہوتی ہے۔ ایک جگہ فرمایا جاتا ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْراً وَّنَذِيْراً وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيْمِ[11]

[ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے دوزخ والوں کے سلسلے میں نہیں پوچھا جائے گا۔]

ایک جگہ عالمگیر داعیانہ حیثیت کی بابت یوں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَّنَذِيْراً[12]

[اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔]

ذیل کی آیات مبارکہ سیرت طیبہ کے داعیانہ پہلو کی ہمہ گیر عظمت پر شاہد عدل ہیں:

يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِيْراً وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيْراً[13]

[اے نبی آپ کو گواہ، بشارت دینے والا، ڈرانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔]

رسول اکرم ﷺ کے اسی داعیانہ منصب کو ایک مبلغ کی حیثیت سے بھی متعارف کرایا گیا ہے اور اس سلسلے میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ محمد عربی ﷺ واضح انداز سے دین کی امانت کو مخاطب معاشرۂ انسانی تک پہنچانے کے لیے ہی اللہ رب العزت کی

طرف سے مامور ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں متعدد قرآنی آیات[14] ناطق ثبوت کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔ 'بلاغ مبین' کے اس کارِ عظیم یا منصب نبوت کے اس مشن عزیز کی اہمیت کو اس فرمان خداوندی میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جہاں دعوت و تبلیغ کے مشن سے تعلق خاطر اور تمسک پر تلقین اور اس سلسلے میں اغماض و بے اعتنائی اور تقصیر و کوتاہی پر وعید ہوتی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ[15]

[اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل ہوا ہے، آپ پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔]

قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی داعیانہ سیرت کو محض ایک عام مبلغ کی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاق فاضلہ کی انتہائی بلندیوں پر فائز ہوتے ہوئے انسانیت کے ایسے نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے جس نے سعادت و کامرانی کی تمام تعلیمات قرآنی کو واضح اور مبرہن کر کے پیش کر دیا اور اپنی اس منظم اور بلیغ کوشش سے انسانوں کا رشتہ معبود حقیقی سے جوڑ دیا۔ اس سلسلے میں کتاب اللہ ایک طرف تو یہ بتاتی ہے کہ ذات اقدس پر کتاب کے نزول کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس کے ذریعہ خداوندی احکام و فرامین دوٹوک انداز میں واضح کر دیئے جائیں تا کہ اس ہدایت نامہ کے مشتملات کے سلسلے میں شک و ریب اور تردد و تذبذب باقی نہ رہے اور انسانیت ضلالت و گمرہی کے قعر عمیق سے نکل کر رشد و ہدایت کی شاہراہ پر آجائے۔ چند آیات کریمہ ملاحظہ فرمائی جائیں:

وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ[16]

[اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لیے وہ واضح کر دیں جو ان تک نازل کیا گیا ہے اور تا کہ وہ فکر کریں]

کتاب الٰہی انسان کو ظلمت و تاریکی سے متنفر و متوحش بنا کر روشنی کا نقیب و علمبردار بنا دیتی ہے۔ اور بلاشک وریب اس کتاب کو کتاب مبین[۱۷]، کتاب مبارک[۱۸]، قرآن حکیم[۱۹]، قرآن کریم[۲۰]، شفاء ورحمت[۲۱] لفظی اور معنوی کجی وانحراف سے پاک[۲۲] اور تمام امور ومسائل میں راست روی کے نقیب[۲۳] ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس مقصد عظیم کی کماحقہ تحصیل اور الٰہی منصوبہ کی تکمیل کے لیے ہی آپ ﷺ پر قرآن مجید کا نزول ہوا تھا۔ اس کے واضح اور مبرہن ہونے کی حقیقت، اس کی حکمت و دانائی، اس کی سعادت و رحمت اور تمام مسائل ومشکلات میں بدرجۂ اتم عقدہ کشائی کے اسرار ورموز صاحب قرآن ﷺ کے ذریعہ ہی واضح کیے جاسکتے تھے اور آپ ﷺ کے ذریعہ ہی انسانیت کو اس صراط مستقیم کی رہنمائی مل سکتی تھی جو اس عالم فانی کی سعادتوں اور آخرت کی ابدی اور پائیدار آسائشوں کی ضمانت بن سکتا تھا۔ کتاب اللہ کے تعلق سے آپ کی عظمت ورفعت اس آیت کریمہ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے:

کِتٰبٌ أَنزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ
بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ[۲۴]

[یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے آپؐ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے روشنی کی طرف لے آئیں، یعنی غالب اور ستودہ صفات کے راستے کی طرف۔]

مندرجہ بالا وضاحتوں سے یہ بات تشنۂ وضاحت نہیں رہتی کہ دعوت کے کام میں کتاب اللہ ہی نبی کریم ﷺ کے لیے مرکز توجہ بنی ہوئی تھی۔ اسی کتاب کے ذریعہ زندگیوں میں وہ صالح انقلاب برپا ہوا تھا اور احباب ورفقاء کی وہ جماعت تیار ہوگئی تھی جس نے پوری دنیا کو انسانیت کا درس دیا اور خدا کی زمین پر وہ حکومت قائم کر دکھائی جس پر انسانیت تاقیامت نازاں وفاخر رہے گی۔ اس میں صداقت ہے کہ اسی کتاب کی بدولت وہ دنیا میں بھی سرخرو ہوئے اور اسی دنیا میں رضائے الٰہی کا پروانہ 'رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ' کی شکل میں حاصل کیا۔ پوری امت مسلمہ امت دعوت ہے۔ اگر یہ امت اپنا

تشخص برقرار رکھنا چاہتی ہے اور افراد امت دونوں جہاں کی عظمت وسرخروئی کے امیدوار ہیں تو داعیٔ اعظم ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کتاب اللہ کو مطمح نظر بنانا ہوگا اور اس سے تعلق مضبوط کرنا ہوگا اور بلاشک وریب اس تعلق میں ثبات واستحکام آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے ذریعہ ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ کتاب اللہ سے شیفتگی کی حد تک محبت اور رسول اللہ کی سنت سے والہانہ وابستگی امت کو خیر امت یا امت دعوت کے منصب پر فائز کرسکتی ہے اور جبھی رسالتمآب ﷺ کے فرمان 'خیرکم من تعلم القرآن وعلمہٗ'[۲۵] کے مطابق سعادت وسرخروئی کا مقام حاصل کیا جاسکتا ہے۔

نبی عربی ﷺ کی دعوتی جدوجہد اور امت مسلمہ:

دعوت کا کام بڑا ہی پرعظمت اور باوقار کام ہے۔ کسی کام کے اس سے زیادہ معزز اور محترم اور مبارک ومسعود ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ ایک طرف اس عمل خیر کے ذریعہ اللہ کی طرف انسانوں کو بلا کر داعی خود اپنی ذات کی تربیت کرتا ہے تو دوسری طرف بندوں کا رشتہ اللہ سے جوڑ کر گویا بشر دوستی اور انسانیت نوازی کا اعلیٰ ترین عملی ثبوت دیتا ہے۔ امت مسلمہ کا ہر ہر فرد دعوت دین کے اس کارِ عظیم کا مکلّف ہے بلکہ اس کا خیر امت، امت وسط اور شہداء علی الناس کی مقدس جماعت کا ایک فرد ہونا اسی بات سے مشروط ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ قرآن مجید نے جہاں کلمہ گو انسانوں کو دنیا کا چیدہ گروہ قرار دیا وہاں معروف کا حکم کرنے اور منکر سے روکنے کی ذمہ داری کو لازم قرار دے دیا۔ آیت کریمہ ملاحظہ فرمایئے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ[۲۶]

[تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔]

دعوت الی الحق تو ایک عام مسلمان کا فریضہ ہے اور وہ اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق اس کی انجام دہی کا مکلّف ہے، بصورت دیگر وہ اپنی شناخت مجروح کردیتا ہے

اور خیر امت کے مقام سے شرفیاب ہونے کا استحقاق کھو دیتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ داعیٔ اعظم ہیں اور دعوت وتبلیغ ہی کار نبوت کا مہتم بالشان اور اہم ترین موضوع ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ بالخصوص اللہ رب العزت کے مقبول دین اور عالمگیر ہدایت نامہ کے ساتھ اسی لیے ہوئی کہ آپ بندگان خدا کو معبودان باطل سے گریزاں ومجتنب کر کے اللہ رب العزت کا شیفتہ وشیدائی بنا دیں اور اس طرح انسان کو انسانیت کی معراج سے ہمکنار فرما دیں۔ اس مقدس مشن کا حصول ممکن ہی نہیں تھا جب تک آپ اس دین حق کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرنے کی انتھک جدو جہد نہ فرماتے۔ یہ دین اسلام محض اس لیے نہیں آیا تھا کہ ادیان و مذاہب کی کہکشاں میں ایک اور دین کا اضافہ ہو جائے بلکہ یہ دین مکمل ضابطۂ زندگی، نعمت کاملہ اور محبوب ترین طریقۂ عبودیت[27] کا نام ہے اور آپ ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو یہ عظیم ترین نسخۂ کیمیا اس لیے ملا کہ دنیا کے اندر جتنے مروجہ ادیان و مذاہب اور افکار ونظریات ہیں، ان سب پر رب العالمین کے عطا فرمودہ دین کا غلبہ و تمکنت قائم ہو جائے۔[28]

بلاشبہ دعوت حق کی یہ راہ بڑی پُر پیچ اور آلام ومصائب سے پُر ہے۔ چنانچہ رسالتمآب ﷺ نے جب اس دین حنیف کے غلبہ وتمکنت کا علم اٹھاتے ہوئے مکہ کے پُر آشوب اور پُر فتن دور میں لا الٰہ الا اللہ کی صدا بلند کی تو مخاطبین کے سینوں پر سانپ لوٹ گیا۔ چوں کہ لا الٰہ کی زد لات، عزیٰ، ہبل منات اور دیگر تمام باطل خداؤں پر پڑ رہی تھی اس لیے کفار ومشرکین کی طرف سے سرور عالم ﷺ کو حرص وطمع کے دام میں بھی لینے کی کوشش کی گئی، دلخراش طعن وتشنیع بھی کی گئی، دلدوز دھمکیاں بھی دی گئیں، شعب ابی طالب کا قیدی بھی بننا پڑا اور طائف کے مرحلۂ جانکاہ سے بھی گزرنا پڑا۔ آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے اصحاب واحباب کو بھی آلام ومصائب کی وادیوں سے گزرنا پڑا، ہر چہار جانب سے کفر وشرک کے زعماء کی طرف سے آپ پر اور آپ کے معزز رفقاء پر اوچھے ہتھیار بھی استعمال کیے گئے، دعوت اسلامی اور اس کے علمبرداروں کے صفایا کے لیے بڑی گھناؤنی سازشیں کی گئیں نیز انسانیت سوز اور سفاکانہ اقدامات کیے گئے، لیکن

دعوت صالحہ داوں کو مسخر کرتی گئی اور دین حق پر صبر واستقامت اور اپنے مشن سے غیر مشروط محبت کی بنیاد پر نصرت الٰہی[۲۹] ان پر سایہ فگن ہوئی۔ بالآخر تاریخ کی نگاہوں نے 'يَدۡخُلُونَ فِي دِينِ ٱللَّهِ أَفۡوَاجاً' کا روح پرور منظر بھی دیکھا۔

دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے ہر فرد امت کے لیے حیات پاک ﷺ کی اس دعوتی سرگزشت میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ اللہ واحد پر ایمان وایقان کی شرط اولین یہ ہے کہ معبودان باطل سے رشتہ منقطع کیا جائے اور شعوری طور پر پوری قوت کے ساتھ آج کے باطل خداؤں کا انکار کیا جائے۔ چاہے وہ باطل خدا ابلیس ونفس کی شکل میں ہو، برادری وعلاقائیت کی شکل میں ہو، جھوٹی عزت ووقار کی شکل میں ہو، مسلک و مکتبۂ فکر کی شکل میں ہو یا پھر کرسی واقتدار کی شکل میں۔ جب تک عصر جدید کے ان نئے اور بڑے خطرناک بتوں سے اعلان براءت نہیں کیا جائے گا، اللہ واحد پر ایمان محض زعم باطل ہوگا اور اس ایمان کے ساتھ دعوت کا کام ایک مزعومہ بلکہ فریب ہوگا، کیوں کہ یہ اس اقرار وعہد کی خلاف ورزی ہوگی جس کا بسا اوقات نمازوں میں اور اس کے علاوہ دیگر عبادات میں اعادہ وتجدید کیا جاتا ہے۔[۳۰]

سیئات ومنکرات کو قابل قبول سمجھنے یا ان سے بے اعتنائی برتنے اور سکوت اختیار کرنے کی صورت میں حسنات ومعروفات کے فروغ کی کوشش بعینہٖ اس بات کے مترادف ہے کہ معبودان باطل کو بطیب خاطر قبول کرنے، ان کے ساتھ نرم گوشہ رکھنے اور قابل لحاظ سمجھنے کے ساتھ ساتھ اللہ واحد پر ایمان وایقان کا دعویٰ کیا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کے معبود حقیقی ہونے کا اظہار واعلان معتبر ومستند اسی وقت ہے جب کہ دنیا کے سارے جھوٹے خداؤں کا انکار کیا جائے۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ 'الا اللہ' اسی وقت معتبر ہوگا جب کہ 'لا الٰہ' کا مفہوم سمجھا جائے اور اس کے مطابق عملی زندگی کو متحرک وفعال بنایا جائے۔ کلمہ طیبہ کی اس روح کے ساتھ داعی اگر دعوت حق کے میدان کارزار میں قدم رکھے تو یہ سوچ کر رکھے کہ یہ راہ پُر خار ہے، لیکن اس میں صداقت ہے کہ موانع ومصائب اور مشکلات وحوارج اس راہ میں فوز وفلاح اور سرخروئی و

سعادت کے لیے توشۂ راہ ہیں اور یہ اللہ رب العزت کے اس منصوبے کے تحت ہے جو ایمان والوں سے متعلق قرآن میں مرقوم ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ[۳۱]

[اور ہم یقیناً تمہیں کسی قدر خوف، فاقہ، مالوں، جانوں اور پھلوں کو نقصان دے کر آزمائیں گے۔]

دین حق سے وابستگی اور کار دعوت سے تعلق و تمسک کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایمان کی نعمت غیر مترقبہ سے متمتع ہونے والے داعیان حق ابتلاء و آزمائش سے متعلق فرمودات ربانی[۳۲]، دعوت دین کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی شبانہ روز سرفروشانہ جدوجہد اور اس راہ میں اعداء اسلام کی طرف سے ہونے والی چوطرفہ یلغار کو پیش نظر رکھیں۔ قرآنی تعلیمات اور رسول اکرم ﷺ کی دعوتی زندگی کے نشیب و فراز کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس بات پر بھی ایمان ہونا چاہیے کہ دعوت کے اس مقدس مشن میں مشکلات آئیں گی۔ اس راہ میں اگر کوئی مخالفت نہیں ہوتی ہے، اعتراضات واختلافات کی خلیجیں حارج نہیں ہوتیں اور داعی کو زک پہنچانے کی سازشیں نہیں کی جاتیں، جانی و مالی نقصانات کے خدشات معدوم ہوں اور اغیار و اجانب کی طرف سے کسی خوف وخطر، تصادم و آویزش، اتھل پتھل اور ناخوشگوار و ناموافق صورت حال سے سابقہ کے بغیر اس عمل خیر کا سلسلہ چل رہا ہو تو داعی کو اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ظالم فرد یا معاشرے کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کی جائے، شر و فساد کے انسداد کی تدابیر اختیار نہ کی جائیں، فسق و فجور، منکرات و فواحش کے خلاف نہ ہی طاقت کا استعمال ہو اور نہ ہی زبان کا اور نہ ہی انھیں دیکھ کر اضطراب و بے چینی ہو تو بڑی تشویش ناک بات یہ ہے کہ اس صورت میں داعیٔ اعظم ﷺ کے ارشاد کے مطابق مدعیٔ ایمان کے اندر ایمان کا رائی برابر بھی حصہ نہیں ہے۔[۳۳] یقیناً ایسا ایمان ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے گزرنا نہیں سکھاتا اور نہ ہی مصائب و مشکلات کے بادل اس کو گھیرے میں لیتے ہیں،

کیوں کہ خواہی نہ خواہی اس نوعیت کے ایمان کے ساتھ ہر ایک کوخوش کرنے کی کوشش ہوتی ہے یا کم از کم اس نحیف وناتواں ایمان کے ساتھ شر وفساد کے علمبرداروں اور منکرات وسیات کے حامیوں کے تئیں خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے اور بڑے اطمینان کے ساتھ ان سے نبرد آزمائی کو اپنے دائرۂ کار سے باہر کی چیز قرار دے دیا جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا فریضۂ دعوت اور اس کے لوازم:

وقت کا نبی وقت کا معزز ترین اور انتہائی برگزیدہ شخص ہوتا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کے دین کا سب سے بڑا نقیب اور داعی ہوتا ہے۔ انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے ابتداء آفرینش سے خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت مبارکہ تک جو بھی برگزیدہ ہستیاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئیں کم وبیش ہر ایک میں اخلاص وللّٰہیت، احساس امانت، داعیانہ اضطراب و بے چینی اور کتاب زندگی کا صاف ومنزہ ہونا، جیسے اوصاف نمایاں تھے اور بلاشک وریب داعیٔ اعظم خاتم الانبیاء ﷺ کی زندگی ان اوصاف حسنہ سے درجہ اتم تک مزین وآراستہ تھی جو قطعی طور پر تمام داعیان دین کے لیے بالخصوص قابل رشک اور لائق تقلید ہیں۔

اخلاص: اخلاص وللّٰہیت دراصل عبادات کی روح ہے[۳۴]، اس کے بغیر عبادات بے روح جسم کی طرح ہیں۔ اسی طرح اگر دعوت دین کا عظیم الشان فریضہ اخلاص سے عاری ہوکر انجام دیا جاتا ہے اور ذاتی، گروہی اور دیگر مفادات پیش نظر ہوتے ہیں تو پھر صحیح معنوں میں اس عمل کو دعوت وتبلیغ کا عمل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اور تبلیغ حق یا دعوت دین کا یہ عظیم ترین کام ایک رسم کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جو بارگاہِ رب العزت میں بہر حال شرف قبولیت سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔[۳۵] اور اس وقتی اور زوال پذیر زندگی میں بھی خوش آئند اثرات ونتائج نہ ہی داعی اور اس کے اہل خانہ کی زندگیوں پر مترتب ہوتے ہیں اور نہ ہی معاشرے کے اندر کوئی صالح تبدیلی رونما ہوسکتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی داعیانہ زندگی کے اس درخشاں پہلو کو قرآن مجید میں جگہ جگہ[۳۶] وا کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ اپنی قوم اور مدعو ومخاطب معاشرہ سے بے خوف وخطر ہوکر جرأت

وبہادری کے ساتھ اپنے کار دعوت کے تقدس کو بیان کرتے ہیں اور مخاطبین کے شکوک وشبہات کا رفع وازالہ کرتے ہیں:

قُل لَّآ أَسۡئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًاۖ إِنۡ هُوَ إِلَّا ذِكۡرَىٰ لِلۡعَٰلَمِينَ [۳۷]

[آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ یہ قرآن تو جہاں والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔]

سیرت طیبہ کا یہ پہلو داعیان دین کے لیے بیش قیمت تحفہ ہے۔ اگر مخاطب یا مدعو کو داعی کے بے لوث و بے غرض ہونے کا یقین ہوجائے اور وہ اپنا ہمدرد وغمگسار سمجھ لے تو گویا دعوت کا یہ کام اللہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کر لیتا ہے اور اس طرح داعی مدعو کے دل کی دنیا کو مسخر کر لینے میں کامیاب ہوجاتا ہے اور بالآخر غیر متوقع اثرات ونتائج داعی کو دعوت نظارہ دے رہے ہوتے ہیں۔

امانت کا استحضار: دین کے ایک عظیم ترین امانت ہونے کا شعور ویقین اور مخاطبین کو تغیر وتبدل سے پاک بے کم وکاست اس خدائی امانت کو پہنچادینے کی یقین دہانی خاتم الانبیاء ﷺ کی دعوتی کوششوں میں جابجا ناطق نظر آتی ہے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے حیات طیبہ کے اس تابناک پہلو پر سند ملتی ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلۡهَوَىٰٓ إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٞ يُوحَىٰ [۳۸]

[اور وہ خواہش نفسانی سے نہیں بولتے ہیں۔ وہ (آپ کا ارشاد) تو ایک وحی ہے جو (ان پر) کی جاتی ہے۔]

ایک جگہ رب العالمین اپنے محبوب ترین پیغمبر ﷺ کو اس بات کی تلقین فرماتا ہے کہ آپ مخاطبین سے دوٹوک انداز میں واضح کر دیجیے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہا ہوں اور یہ کہ یہ میرا ذاتی تجربہ یا خانہ ساز نظریہ نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کچھ خلط ملط کیا جارہا ہے، بلکہ بعینہٖ وہی احکام تمہیں سنا رہا ہوں اور انہی باتوں کی طرف تمہاری توجہ مرکوز کر رہا ہوں جن کا مجھے حکم ملا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلۡ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٞ مِّثۡلُكُمۡ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمۡ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞ [۳۹]

[آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں، مجھ پر یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔]

دین کی امانت کو صحت واستناد کے ساتھ پہنچانے اور کوئی کمی بیشی نہ کرنے سے متعلق یہ آیات کریمہ بھی اللہ کے رسول ﷺ کی حیات مبارکہ کے اس پہلو کو اجاگر کرتی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ

[اے نبی ﷺ! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے آپ اسے پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔]

ایک جگہ اس سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب ترین رسول کی پوزیشن خود رسول کی زبانی یوں واضح کرتا ہے:

قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ ٱلرُّسُلِ وَمَآ أَدْرِى مَا يُفْعَلُ بِى وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَىَّ وَمَآ أَنَا۠ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

[آپ کہہ دیجیے کہ میں انوکھا رسول تو ہوں نہیں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ (کیا ہوگا)۔ میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔]

رسالتمآب ﷺ کی سیرت پاک کا یہ پہلو اور اس سے متعلق قرآنی آیات دراصل داعیان دین کے لیے آئینہ ہیں۔ بے لوث و بے غرض ہوکر، کسی قسم کے تعصب و جانبداری اور مسلک ومکتبۂ فکر کی قید وبند سے آزاد ہوکر اور حالات وکوائف کے پس منظر میں قرآن وسنت کی تعلیمات کی روح کو سمجھتے ہوئے اگر دعوت کا کام کیا جا رہا ہے تو یقیناً یہ دعوت دور رس اثرات کی حامل ہوسکتی ہے۔ بصورتِ دیگر مدعو کو کسی بھی پہلو سے

دعوت کے پیش کرنے سے متعلق شک وشبہ یا خیانت کا احساس ہو جائے تو پھر دعوت حق منفی اثرات کا باعث بن جاتی ہے۔

داعیانہ اضطراب: دعوت حق سے مدعو کے برگشتہ اور گم گشتہ راہ ہونے اور اس کے ناکامی وخسران سے دوچار ہونے پر داعیانہ اضطراب سے متعلق سیرت طیبہ میں درخشاں تعلیمات موجود ہیں۔ دین حق کی امانت خدا کے بندوں تک پہنچانے اور خدا کے بندوں کو راہ راست پر لانے سے متعلق جو اضطراب و بے قراری آپ کو لاحق ہوتی ہے، اس کی مثال دنیائے انسانیت کے کسی بھی بڑے سے بڑے قائد کی زندگی میں ناپید ہے۔ کتاب اللہ سیرت طیبہ کے اس درخشاں پہلو پر جا بجا سند فراہم کرتی ہے۔ ذیل کی آیت کریمہ میں بندگانِ خدا کے تئیں خاتم الانبیاء ﷺ کی ہمدردی وغمگساری، شفقت ومحبت، نرمی ورافت اور بشر دوستی وانسانیت نوازی کی نادر تعبیر ملتی ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ

[تمہارے پاس تمہاری ہی جنس سے ایک رسول آچکا ہے جس پر تمہارا پریشانی میں پڑنا شاق گزرتا ہے، جو تمہارا (ہدایت کے معاملے میں) حریص ہے، مومنوں کے لیے مہربان اور شفیق ہے۔]

مدعو معاشرہ یا مخاطب قوم کی ضلالت وگمراہی اور اس کے نتیجے میں اللہ کے غیض وغضب پر آپ قلق واضطراب کا مجسم بن جاتے ہیں۔ مخاطب یا مدعو کی ہدایت کے تئیں آپ کی سیمابی کیفیت اس آیت کریمہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا

[پس شاید کہ ان کے پیچھے مارے افسوس کے آپ اپنے آپ کو ہلاک کرڈالنے والے ہیں، اگر وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے۔]

شاہراہ ہدایت سے منحرف اور آخرت کی لازوال مسرتوں سے ناآشنا مخاطبین

کے تئیں جو حزن وملال آپ پر طاری ہوتا ہے اور اضطراب واضمحلال کی جس کیفیت سے آپ دوچار ہوتے ہیں، اللہ رب العزت کو بھی اس پر ملال آتا ہے اور آپ ﷺ کے اضطراب و بے قراری کی کیفیت پر یوں رطب اللسان ہوتا ہے:

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ [٤٤]

[پس ان کے پیچھے مارے حسرت کے آپ کی جان نہ چلی جائے۔

بے شک اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے خوب باخبر ہے۔]

اگرچہ آپ ﷺ عظیم ترین مبلغ تھے اور مبشر ومنذر کے فریضہ کی ادائیگی کے مکلّف تھے۔ اس ضمن میں حق وصداقت کو واضح کرنا اور اس کے انجام خیر سے باخبر کرنا نیز کذب وبطلان کو بے نقاب کرنا اور اس کے انجام بد پر متنبہ کرنا آپ کی ذمہ داری تھی جس کو بلاشک وریب آپ نے کما حقہ اور بطریق احسن انجام دیا، لیکن آپ 'رحمۃ للعالمین' تھے اور انسانوں سے محبت کا جو جذبہ آپ کے قلب وضمیر میں موجزن تھا اس کے مطابق آپ اس کے خواہاں بلکہ خوگر تھے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کو پہچان لے اور معبود حقیقی کا ہی ہو کر رہے تاکہ اس کے وعدہ بشارت کا مستحق بن جائے۔ لیکن اس دنیا کے دار العمل یا امتحان گاہ ہونے اور انسانوں کے امتحان دہندہ ہونے کا تقاضا صرف یہ تھا کہ بے کم و کاست اور اخلاص ودلسوزی کے ساتھ دین اللہ کے بندوں تک پہنچا دیا جاتا تاکہ جن نفوس میں طلب وچاہت باقی ہوتی ان میں شمع ہدایت فروزاں ہو جاتی۔ بندگانِ خدا کی ہدایت کے تحت حبیب خدا ﷺ کے اضطراب وبے قراری پر اللہ رب العزت کا ارشاد قابل ملاحظہ ہے جس میں خدا کے بندوں کے تئیں آپ ﷺ کی غایت درجے کی محبت اور اس سلسلے میں ذمہ داریوں کی بدرجہ اتم انجام دہی کا اعتراف ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ کے منصب ومقام کا تعین اور ہدایت کے باب میں خدائی ضابطے کا اعلان ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ [٤٥]

[یقیناً آپ جسے چاہیں اسے ہدایت یاب نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس

کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب
جاننے والا ہے۔]

مدعوین یا بندگان خدا کے شب وروز کے معمولات ومصروفیات کے تئیں آگہی اوران کی غلط روی کے انجام بد پر کسک واضطراب کی کیفیت اگرایک داعی کا شعار بن جائے اور مدعو کو داعی کے خیر خواہ اور بشر دوست ہونے کا یقین ہو جائے تو دعوت الی اللہ مفید اور موثر اثرات ونتائج کی حامل بن سکتی ہے۔ دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لیے داعیٔ اعظم ﷺ کے اس داعیانہ وصف میں قیمتی سبق موجود ہے۔ داعی کا یہ سمجھنا کہ مدعو ہماری دعوت پر لبیک کہے یا نہ کہے کامیابی ہر حال میں ہمارے قدم بوس ہوگی، اگر غلط نہیں ہے تو محل نظر ضرور ہے کیوں کہ امت مسلمہ کی شناخت دعوت کے کام میں ہے اور اس کو وجود ہی بخشا گیا ہے انسانیت کے لیے۔[۴۶] انسان اللہ کے خاندان کے لوگ ہیں[۴۷] اور ان کے تئیں ہم پر جو ہماری ذمہ داریاں ہیں بس یہ نہیں کہ ہم جیسے تیسے دعوت پہنچادیں۔ انسانیت سے محبت خدا سے محبت کی دلیل ہے اوراس سلسلے میں مدعو اور مخاطب کے لیے جب تک تڑپ نہیں ہو، جب تک اس کی کامیابی موضوع فکر اور ناکامی وجہ تشویش نہ ہو اور اس کے خوش گوار اور ناخوش گوار احوال وکوائف سے دلچسپی نہ ہو، خدا کے بندوں سے محبت کا دعویٰ دعویٰ محض بن جاتا ہے اور یہ دعوت رسوم وروایات کے حصار میں رہ کر اپنی عظمت وتاثیر کھو دیتی ہے۔

اپنی زندگی کو بطور دلیل پیش کرنا: سرور عالم ﷺ کی دعوتی زندگی میں یہ وصف بھی قابل رشک اور نمایاں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو مخاطب معاشرہ کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ آپ ﷺ کی زندگی تمام قسم کے اشرار ورذائل سے پاک تھی۔ نبوت سے پہلے کی زندگی ہو یا نبوت کے بعد کی زندگی، اس داعیٔ اعظم ﷺ کا کردار انسانیت کی معراج کا نمائندہ تھی۔ آپ ﷺ جب وحی الٰہی سے سرفراز ہوئے اور قرآن پاک کے انوار کی تجلیاں معاشرۂ انسانی پر پڑنے لگیں تو لوگوں نے قرآن مجید کو طرح طرح کے منثور ومنظوم کلاموں کا نام دیا لیکن چوں کہ آپ ﷺ کی سیرت وکردار میں کبھی کسی جھول کا

وہ عینی مشاہدہ نہیں کر سکے تھے اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کی دعوت کا مذاق اڑانے کے لیے کبھی آپ ﷺ کے شخصی کردار کو مطعون نہیں کیا اور نہ ہی اس کی گنجائش تھی۔ کفر و شرک کے علمبردار اور تمام خبائث ورذائل میں ملوث مخاطب معاشرے نے برسہا برس کے تجربوں اور مشاہدوں کے بعد 'امین و صادق' کا خطاب دے دیا تھا اور یہ قابل ذکر ہے کہ تاحین حیات مدعو معاشرہ آپ ﷺ کے اخلاق فاضلہ کا مداح بنا رہا اور وہ جوق در جوق اسلام کے کیمپ میں آتے گئے۔ اللہ رب العزت نے تو جگہ جگہ اپنے رسول ﷺ کے اخلاق فاضلہ کو مخاطب کے گوش گزار کیا۔ کہیں انسانیت کے عظیم ترین نجات دہندہ اور قانون ساز کی حیثیت دے کر[۴۸]، کہیں رسول ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سے تعبیر کر کے[۴۹]، کہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت[۵۰] کا اعلان کر کے، کہیں اخلاق حسنہ کی بلندیوں پر متمکن ہونے کی سند[۵۱] دے کر تو کہیں پوری انسانی برادری کے لیے اسوۂ حسنہ[۵۲] ہونے کا اعزاز بخش کر قادر مطلق ہستی اور معبود حقیقی نے اپنے محبوب ترین پیغامبر کی نعت خوانی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دعوت حق سے انکار وانحراف اور تمرد و سرکشی کا رویہ اختیار کرنے والوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ اپنی حیات پاک کو پوری طمانیت قلب کے ساتھ حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اللہ کی کتاب صاحب کتاب ﷺ کی اس حجت کو یوں پیش کرتی ہے:

> قُل لَّوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُم بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ[۵۳]
>
> [آپ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ تو میں اس (کلام کو پڑھ کر) سناتا اور نہ وہ اس کی تم کو اطلاع دیتا۔ کیوں کہ اس سے پہلے بھی ایک (بڑے حصہ) عمر تک تم میں رہ چکا ہوں، پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔]

دعوت دین کے کارِ عظیم میں داعی کی سیرت کا یہ پہلو قابل توجہ ہے کہ کیا داعی دعوت و تبلیغ کے مرحلے میں اپنے مخاطب کے سامنے اپنی زندگی کے شب و روز کو حجت کے

طور پر پیش کرنے کی جرأت رکھتا ہے۔ اگر داعی کا کردار جھوٹ، مکر، فریب، دغابازی، حقوق العباد کی پامالی اور دوسری مذموم عادات و اطوار کے لحاظ سے معاشرے میں معروف ومشتہر ہے تو اول یہ کہ داعی کے اندر حق گوئی و بے باکی کا جوہر نہیں پیدا ہوسکتا۔ دعوت کا کام کرتے ہوئے خود اس کا ضمیر اس کو ملامت کرتا ہے۔ دین کی باتوں اور نصیحتوں کو حاضرین مجلس یا مخاطبین کے گوش گزار کرنے میں وہ خود ہی شیرینی ولذت اور روحانی کیفیت وسرور سے محروم ہوتا ہے۔ خواہ زبان و بیان کی صلاحیت اور سخن سازی کی صفت کی بنیاد پر اگرچہ باتیں بھلی معلوم ہوں، تاہم ان کا وزن نہیں ہوتا اور یہ صدا بصحرا ثابت ہوتی ہیں۔ اپنی زندگی کو معاشرۂ انسانی یا مخاطب اور مدعو فرد یا معاشرہ کے سامنے حجت کے طور پر پیش کرنے کا اسوۂ نبوی ﷺ ہمارے سامنے ہے، اس میں اپنی تصویر دیکھی جاسکتی ہے اور جائزہ واحتساب کے عمل سے دعوت کو دلنشیں اور موثر بنایا جاسکتا ہے۔

خلاصۂ مبحث:

قرآن مجید اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کیا گیا وہ آفاقی ضابطہ حیات ہے جو فکروفن دونوں پہلوؤں سے عظمت ورفعت کی انتہائی بلندیوں پر کمندیں ڈالے ہوا ہے۔ یہ تاریخی صداقت ہے کہ اس کتاب نے ان پڑھ اور اجہل قوم کے شب وروز میں زبردست انقلاب پیدا کردیا اور پھر امامت وپیشوائی کے منصب پر فائز ہوکر انھوں نے دنیا کو جینے کا قیمتی سبق سکھایا۔ قرآن مجید سرچشمہ دین ہے اور یہی شریعت کا مصدر اول ہے۔ تاہم خاتم الانبیاء ﷺ کی سیرت پاک سے یک لحظہ بھی غفلت و بے اعتنائی ہلاکت و بربادی کا موجب ہے۔ اللہ سے محبت رسول پاک ﷺ کی اتباع سے مشروط ہے، رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، اللہ کا رسول ﷺ اخلاق فاضلہ کی انتہائی بلندی پر متمکن ہے اور رسول ﷺ قانون سازی کے منصب پر فائز اور کلام اللہ کے مستند شارح اور مفسر ہیں، حیات طیبہ سے متعلق ان حقائق کی سندیں جابجا کلام ربانی میں موجود ہیں۔ دعوت حق کے مقدس مشن میں قرآن پاک ہمہ آن اور ہمہ وقت رسول اکرم ﷺ کا مرکز توجہ بنتا ہے۔ یہ کتاب شفاء ورحمت سوا چودہ سو سال پہلے بھی تھی، آج بھی ہے اور قیامت

تک رہے گی۔ یہ فکروفن دونوں لحاظ سے معجزہ ہے اور انشاء اللہ بغیر کسی تبدیلی وترمیم اور تحریف وتنسیخ کے یہ معجزہ قیامت تک برقرار رہے گا۔ امت مسلمہ کی شناخت دعوت و تبلیغ میں ہے اور اس کارِعظیم کا مرکز ومحور جب تک کتاب اللہ کونہیں بنایا جائے گا دعوت کا عمل اپنی روح کے ساتھ زندہ وتابندہ نہیں رہ سکتا۔ ایمان دراصل ابتلاوآزمائش سے عبارت ہے۔ اس راہ میں مخالفتوں اور مخاصمتوں کے طوفان سے بھی سابقہ پڑتا ہے، شعب ابی طالب کی گھاٹیاں بھی طے کرنی ہوتی ہیں، بدروحنین کے معرکے بھی سر کرنے ہوتے ہیں اور خیبر وخندق کے جاں گسل مراحل سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔

دعوت کا کام یقیناً امت مسلمہ کی شناخت ہے اور اس کے بغیر کسی فرد کا امت مسلمہ کا فرد ہونا یا کسی جماعت کا امت مسلمہ کی جماعت ہونا امر محال ہے۔ اس راہ میں حکمت عملی کا طریقہ اختیار کیے بغیر دعوت کارگرنہیں ہوتی، ہاں بے جا مصالحت کی پالیسی دعوت حق کے رخ زیبا کو بھی مخدوش کرتی ہے اور اس سے داعی کا مقام بھی مجروح ہوتا ہے۔ محمد عربی ﷺ اللہ کے آخری رسول اور عظیم ترین داعی ہیں۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کی داعیانہ عظمت کے جلوے جابجا بسرا تے ہیں۔ اخلاص وللٰہیت، دین کے امانت عظمیٰ ہونے کا احساس وشعور، مدعوفرد یا معاشرہ کے تئیں ہمدردی ومحبت اور اس کے اعمال سیئہ پر اصرار کرنے اور اس کے انجام بد پر تشویش واضطراب اور اپنی زندگی کو مخاطب معاشرہ کے سامنے بطور حجت پیش کرنے کی جرأت، وہ اوصاف ہیں جو خاتم الانبیاء ﷺ کی حیات مبارکہ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اگر آج بھی ایک داعی حق قرآن مجید سے رشتہ مضبوط کرلے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضۂ دین کی ادائیگی کے لیے کمربستہ ہوجائے اور بے جا مصالحت کا طریقہ اختیار کیے بغیر رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ دعوت کو اپنا زیور بنالے تو دعوت صالحہ بڑے پیمانے پر دلوں کو مسخر کرسکتی ہے اور قابل رشک حد تک اس کے خوشگوار اثرات ونتائج مترتب ہوسکتے ہیں۔ بایں طور ایک داعی حق دنیا کی اس چندروزہ زندگی میں بھی طمانیت قلب کے ساتھ صابروشاکر رہتا ہے، یہ دنیا اس کے لیے جنت نشاں ثابت ہوتی ہے اور آخرت کی ابدی اور لازوال کامیابی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ ☆☆

حوالے وحواشی

۱ الانبیاء: ۱۰۷

۲ ملاحظہ فرمایئے: البقرہ: ۲۳، یونس: ۳۸، ہود: ۱۳، الطور: ۳۴

۳ ملاحظہ فرمایئے۔ الشعراء: ۱۹۲، السجدۃ: ۲، یٰسین: ۵، فصلت: ۴۲، الجاثیۃ: ۲، الاحقاف: ۲، الواقعۃ: ۸۰

۴ ابراہیم: ۵۲

۵ الاسراء: ۸۸

۶ یونس: ۵۷

۷ الاسراء: ۸۲، فصلت: ۴۴

۸ الحجر: ۹

۹ الکہف: ۷، ۸، الملک: ۲

۱۰ بطور مثال ملاحظہ ہو، المائدہ: ۱۹، ہود: ۲، الاسراء: ۱۰۵، الفرقان: ۵۶، الاحزاب: ۴۵، الفتح: ۸

۱۱ البقرہ: ۱۱۹

۱۲ سبا: ۲۸

۱۳ الاحزاب: ۴۵، ۴۶

۱۴ الاعراف: ۵۵، یونس: ۱۰۶، الشعراء: ۲۱۳، القصص: ۸۸

۱۵ المائدہ: ۶۷

۱۶ النحل: ۴۴

۱۷ النمل: ۱، ۲۹

۱۸ ص: ۲۹

۱۹ یٰسین: ۲

۲۰ الواقعۃ: ۷۷

۲۱۔ الاسراء:۸۲

۲۲۔ الکھف:۱،۲

۲۳۔ الاسراء:۹

۲۴۔ ابراہیم:۱

۲۵۔ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی، السنن، ص:۱۹، ایم بشیر حسن اینڈ سنز، کولکاتا

۲۶۔ آل عمران:۱۱۰

۲۷۔ المائدہ:۳

۲۸۔ الصّف:۹

۲۹۔ الفتح:۱، الصّف:۱۳

۳۰۔ الانعام:۷۹،۱۶۲

۳۱۔ البقرہ:۱۵۵

۳۲۔ البقرہ:۱۵۵،۲۱۴، آل عمران:۱۴۲، التوبۃ:۱۶، المؤمنون:۱۱۵، العنکبوت:۲

۳۳۔ احمد بن حنبل: المسند، ج:۳، ص:۱۰

۳۴۔ الاعراف:۲۹، غافر:۱۴، البینۃ:۵

۳۵۔ الحج:۳۷

۳۶۔ مثلاً ملاحظہ ہو۔ البقرہ:۱۳۸،۱۳۹، الانعام:۹۰، الشوریٰ:۲۳، الزمر:۲،۱۱،۱۴،

۳۷۔ الانعام:۹۰

۳۸۔ النجم:۳،۴

۳۹۔ الکھف:۱۱۰

۴۰۔ المائدۃ:۶۷

۴۱۔ الاحقاف:۹

۴۲۔ التوبۃ:۱۲۸

۴۳۔ الکھف:۶

۴۴۔ الفاطر:۸

۴۵۔ القصص:۵۶

۴۶۔ آل عمران:۱۱۰

۴۷۔ مسلم بن حجاج القشیری: الجامع الصحیح، ج:۲، کتاب البر،ص:۳۱۸، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی

۴۸۔ الاعراف:۱۵۷

۴۹۔ النساء:۸۰

۵۰۔ الانبیاء:۱۰۷

۵۱۔ القلم:۴

۵۲۔ الاحزاب:۲۱

۵۳۔ یونس:۱۶

☆☆☆

باب سوم

مکی زندگی میں محمد عربی ﷺ کا اسوۂ دعوت اور امت مسلمہ

تمام رہبران قوم، عمائدین سلطنت اور زعمائے ملک وملت میں رسول عربی ﷺ کی حیات مبارکہ تاریخیت (Historigrophy) ، عملیت (Practicality)، جامعیت (Comprehensiveness) اور کاملیت (Completion) کے لحاظ سے انتہائی صاف وشفاف اور نمایاں ترین مقام کی حامل ہے۔ رب العالمین[1] کی طرف سے آپ کو رحمۃ للعالمین[2] کا لقب ملا، انسانیت کے لیے ہدایت کے حریص ہونے اور ایمان لانے والوں کے لیے انتہائی شفیق ومہربان[3] ہونے کی سند دی گئی، اخلاق فاضلہ کی بلندیوں پر متمکن قرار دیا گیا[4] آپ کے نطق وگویائی کو وحیٔ الٰہی سے تعبیر کیا گیا[5] اطاعت رسول کو عین اطاعت الٰہی کا پروانہ دیا گیا[6] محبت الٰہی کا راز اتباع رسول میں پنہاں ہونے کا اعلان ہوا[7] یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ تاقیامت ان تمام بندگان خدا کے لیے اسوہ قرار پاتی ہے جو اللہ سے شرف ملاقات کے آرزومند اور یوم آخرت کے امیدوار ہیں۔[8]

ولادت باسعادت اور ابتدائی احوال:

جمہور علماء ومؤرخین کے نزدیک آپ کی ولادت باسعادت قمری تاریخ کے لحاظ سے ۱۲؍ربیع الاول ہے[9] مگر سیر وسوانح کی کتب میں دیگر تاریخیں بھی مرقوم ہیں۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے مصر کے مشہور ہیئت داں محمود پاشا فلکی کی تحقیقات کے پیش نظر ۹؍ربیع الاول/۲۰؍اپریل ۵۷۱ء کی تاریخ کو ترجیح دی ہے۔[10] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے ۹؍ربیع الاول بمطابق ۲۲؍اپریل ۵۷۱ء کو قرار دیا ہے۔[11] ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق ۱۷؍جون ۵۶۹ ہے۔[12]

حضور پُرنور ﷺ کا نام آپ کے دادا عبدالمطلب نے محمد رکھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ کا اسم گرامی محمد الہامی ہے، نیز آپ کی والدہ ماجدہ نے خالق حقیقی کی طرف سے اشارہ پاکر اپنے لخت جگر کا نام احمد رکھا۔[13] اس نام کی عظمت سے متعلق اردو دائرہ معارف کے مقالہ نگار کی وضاحت موثر اور معنی خیز ہے:

"آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی محمد اور احمد کا مادہ حمد ہے اور حمد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے اخلاق حسنہ، اوصاف حمیدہ، کمالات

جمیلہ اور فضائل و محاسن کو محبت، عقیدت اور عظمت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اسم پاک محمد مصدر تحمید (باب تفعیل) سے مشتق ہے اور اسی باب کی خصوصیت مبالغہ اور تکرار ہے۔ لفظ محمد اسی مصدر سے اسم مفعول ہے اور اس سے مقصود وہ ذات بابرکات ہے جس کے حقیقی کمالات، ذاتی صفات اور اصلی محامد کو عقیدت و محبت کے ساتھ بکثرت اور بار بار بیان کیا جائے۔ لفظ محمد میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ وہ ذات ستودہ صفات ہے جس میں خصالِ محمودہ اور اوصافِ حمیدہ بدرجہ کمال اور بکثرت موجود ہوں‘‘۔[۱۴]

آپ ﷺ کے والد محترم جناب عبداللہ تھے جو اپنے والد محترم کے بڑے محبوب اور لاڈلے بیٹے تھے، جن کی شخصیت حسن صورت اور حسن سیرت کا مرقع تھی اور جن کے اخلاق فاضلہ اور اوصاف جمیلہ کا شہرہ پورے عرب میں تھا۔ آپ ﷺ کی والدہ محترمہ بنو زہرہ کی صالحہ اور نیک خاتون حضرت آمنہ تھیں۔ دادا کا نام عبدالمطلب اور دادی فاطمہ بنت عمر سے موسوم تھیں، جب کہ نانا وہب بن عبد مناف اور نانی برہ بنت عبدالعزی تھیں۔ ولادت کے چند ایام بعد عرب کے دستور کے مطابق آپ بنوسعد کی خوش بخت خاتون حلیمہ سعدیہؓ کے زیر سرپرستی آ گئے اور پانچ سالہ مدت قیام کے بعد تندرست و توانا ہو کر اپنی ماں کی گود میں واپس آئے۔ ولادت سے قبل آپ ﷺ والد محترم کے سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ عمر عزیز کی چھٹی بہار ہی گزار رہے تھے کہ مادر مہربان اور شفیق دادا بھی آپ ﷺ کو چھوڑ کر چل بسے۔ اب ابوطالب کی سرپرستی میں آپ ﷺ نے کاروانِ زندگی کو آگے بڑھایا۔ فطری دیانت داری، راست بازی اور راست گفتاری کی وجہ سے الامین اور الصادق کا خطاب آپ کے لیے زبان زد عام ہو گیا۔ قبل از نبوت آپ نے تجارتی اسفار بھی کیے جن کو آپ ﷺ نے محنت اور ایمان داری سے بار آور بنایا اور ان میں اپنی جہد و کاوش اور امانت و صداقت کا لوہا منوایا۔ عمر مبارک کا دسواں سال تھا کہ حرب فجار چھڑی۔ دوسری مرتبہ بھی یہ جنگ برپا ہوئی،

چوں کہ قریش اس جنگ میں برحق تھے اس لیے حضور اکرم ﷺ اپنے چچاؤں کی مدافعت میں اس جنگ میں شریک وسہیم ہوئے۔[۱۵] تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے عملی طور پر حصہ نہیں لیا اور نہ ہی کسی کو زد وکوب کیا، ہاں چچاؤں کی معاونت میں پیش پیش رہے اور انھیں تیر پکڑاتے رہے۔[۱۶]

آپ ﷺ بچپن ہی سے قتل وغارت گری اور فساد وخونریزی سے مجتنب اور فطری طور پر امن پسند تھے۔ حلف الفضول میں آپ ﷺ کی شرکت اس امر پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔[۱۷] آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا پچیسواں سال بڑا اہم اور انقلابی تھا جب کہ عرب کی سب سے شریف اور مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو پیغام نکاح بھیجا اور آپ ﷺ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے، جس کی بنا پر تحریک اسلامی کے شجر طیب کو سینچنے میں بڑی مدد ملی۔ ۱۵ سال تک آپ کے مزاج کے مطابق حضرت خدیجہؓ ہر طرح آپ کے شغل میں ممد ومعاون بنی رہیں، یہاں تک کہ ۴۰ سال کی عمر میں آپ ﷺ نبوت کے منصب جلیل سے سرفراز ہوئے۔

دعوت دین محمد عربی ﷺ کی شخصیت کا طرۂ امتیاز:

محمد عربی ﷺ کی اصل جہت ایک داعی کی ہے۔ مکے میں نسبتاً نامساعد و ناخوشگوار احوال وکوائف میں داعی کا کردار آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اور یہ کردار کسی بھی زاویے سے مدینے کی زندگی میں مخدوش نہیں ہوتا ہے۔ ہاں مصائب و شدائد کے تلاطم، حالات کی سنگینی اور وسائل کے فقدان کی وجہ سے داعی اعظم ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے اضطراب وبے چینی اور بے کسی وکسمپرسی کے قلق انگیز اور دلدوز مناظر بھی جابجا اور وقتاً فوقتاً دعوت مشاہدہ دیتے ہیں۔ یقیناً مکی زندگی میں توحید، رسالت اور آخرت پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے، کیوں کہ مدینے کی اسلامی بستی میں عقائد کے لحاظ سے تحریک اسلامی کے نام لیواؤں کا مضبوط ہونا وقت کی ناگزیر ضرورت اور اور حالات کا اشد ترین تقاضا تھا، تاکہ انقلاب کے علمبردار بنیادی اوصاف سے اپنے آپ کو مزین کریں اور آئندہ کسی بھی دشوار گزار اور نامساعد حالات میں سمجھوتہ اور بے جا

مصالحت کی پالیسی اختیار کرنے کے بجائے اپنے موقف پر ثبات واستقلال کی چٹان بنے رہیں۔ گویا عقائد کی تعلیم وتلقین اور اپنی شخصیتوں کو ان اسلحوں سے لیس کرنے کی ترغیب وترجیب، مدینہ کی اسلامی بستی کے بنیادی پتھر تھے۔ ایسا قطعاً نہیں ہوا کہ مدینہ کی اسلامی بستی میں دعوت وتبلیغ کی لو مدھم پڑ گئی اور توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد سے صرف نظر کر لیا گیا، بلکہ اس امر میں صداقت کا رخ زیبا ناطق نظر آتا ہے کہ دعوت نسبتاً خوشگوار ماحول میں پروان چڑھی، حجاز کی سرحدوں سے نکل کر دنیا کے دوسرے خطوں کے ساتھ ساتھ روم وایران کی سرحدوں میں داخل ہوگئی اور شاہان عالم کے ایوانوں میں بھی اس کی صدائے بازگشت سنی جانے لگی۔

گویا کہ مکی زندگی ہو یا مدنی زندگی، نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کو تسلسل میں دیکھے جانے کی ضرورت ہے۔ مکے کے جس پُر آشوب ماحول میں دعوت وتبلیغ کی گئی، سیرت مبارکہ کی ایک کڑی ہے جس کی تکمیل مدینے کی زندگی میں ہوئی۔ معاندین اسلام کا مکے میں رسول اکرم ﷺ کو ایک مجبور وبے کس انسان، ایک پریشان حال واعظ اور مبلغ کی حیثیت سے پیش کرنا اور مدنی زندگی میں ایک مضبوط وتوانا ضابط وحکمراں اور سپہ سالار فوج کی حیثیت سے پیش کرنا، تعصب وعداوت اور بے بصیرتی وکورچشمی کی واضح دلیل ہے۔ اس امر میں صداقت ہے کہ رسول اکرم ﷺ انسانیت کے نجات دہندہ[18] اور خاتم المرسلین[19] بن کر تشریف لائے۔ آپ ضلالت وگمراہی کے قعر عمیق میں گرتے ہوئے انسانوں کو شاہراہ ہدایت دکھلانا چاہتے تھے اور ایک مثالی ریاست کی تشکیل کے ذریعہ نوع انسانی کے سامنے ایک نمونہ پیش کرنا آپ کے منشور میں شامل تھا، جس کی تکمیل مدینہ میں اسلامی ریاست کی تشکیل کی شکل میں ہوئی، لیکن اس کا سنگ بنیاد مکی عہد میں رکھا گیا تھا۔ مکے میں عقائد کی تعلیم وتلقین، دعوتی جدو جہد کے مختلف مراحل، مصائب و شدائد کے اندوہناک احوال اور صبر واستقلال کے مختلف مظاہر، یہ سب تحریک اسلامی کے شجر طیب کے مقدمات کی حیثیت رکھتے تھے۔ بانئ تحریک اسلامی کی جو بے مثل شخصیت کے جوہر تاباں مکے میں تھے وہی مدینے میں برقرار رہے، ہاں مدینے کے

مخصوص احوال اور چوطرفہ یلغار میں آپ ﷺ کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ ایک معروف مؤرخ اور سیرت نگار۔کے اس تجزیے میں صداقت ہے:

''سیرت نبوی ﷺ کے لحاظ سے مطالعہ کیا جائے تو حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ اپنی بشریت میں جس طرح مکی تھے اسی طرح مدنی۔ دونوں شخصیتوں کا ارتقاء ضرور ہوا تھا مگر رسول اکرم ﷺ اسی طرح انسان کامل، شخصیت بے مثال اور فرد مکمل مدینہ منورہ میں بھی تھے جس طرح مکہ مکرمہ میں تھے۔ شخصیت و سیرت کے جوہر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، اقدار و اوصاف بھی یکساں تھے، عادات واطوار بھی نہ بدلے تھے، عرب فتی (جوان) کا جو پیکر اعلی آپ ﷺ مکہ میں تھے، وہی مدینہ میں تھے صرف ارتقائی جہات کا اضافہ ہوا تھا''۔[۲۰]

منصب نبوت سے پہلے آپ ﷺ نے مکہ میں چالیس سالہ جو زندگی گزاری تھی بلاشبہ وہ مثالی تھی اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ پورے مکہ میں الصادق اور الامین کی حیثیت سے معروف ومقبول تھے۔ آپ ﷺ کی شخصیت ایک ایسے راہبر و راہنما کی شکل میں منظر عام پر آئی تھی جس کے اخلاق عالیہ کا قدرداں عرب کا ہر بڑا چھوٹا ہو گیا تھا، مگر تمام تر ذاتی اوصاف وخصائل کے باوجود منصب نبوت کے فرائض اور اداء فرائض کے طریقوں سے آپ ناواقف تھے۔[۲۱]

آپ ﷺ کی مکی زندگی ہو یا مدنی زندگی، ہر جگہ فریضۂ دعوت اور بعثت نبوی ﷺ لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ شہادت حق کا فریضہ انجام دینے والے، مبشر ومنذر اور روشن چراغ تھے اور عام مفہوم میں محض ایک داعی نہیں تھے بلکہ اللہ کی طرف سے اس منصب جلیل پر فائز تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِيراً وَّدَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجاً مُّنِيراً۔[۲۲]

[اے نبی، ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔]

صاحب تفہیم القرآن آپ کے مخصوص داعیانہ منصب پر رقم طراز ہیں:

''دعوت الی اللہ تو ہر مبلغ دیتا ہے اور دے سکتا ہے، مگر وہ اللہ کی طرف سے اس کام پر مامور نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس نبی اللہ کے اِذن سے دعوت دینے اٹھتا ہے۔ اس کی دعوت نری تبلیغ نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بھی اس کے بھیجنے والے رب العالمین کی فرمانروائی کا زور ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اللہ کے بھیجے ہوئے داعی کی مزاحمت خود اللہ کے خلاف جنگ قرار پاتی ہے، جس طرح دنیوی حکومتوں میں سرکاری کام انجام دینے والے سرکاری ملازم کی مزاحمت خود حکومت کے خلاف جنگ سمجھی جاتی ہے''۔[۲۳]

دعوت حق کی راہ کے خم و پیچ اور احوال و کوائف کی سنگینی اور مصائب و مشکلات کی سختی و شدت سے اللہ رب العزت پوری طرح آگاہ تھا، اس لیے اپنے نبی ﷺ کو اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ پر دین اور اس کے مستند منشور کی شکل میں نازل کیا گیا ہے، اس کی تبلیغ میں سرگرئ عمل کا مظاہرہ کرتے رہیے، جبھی آپ ﷺ اس کے پیغام رسانی کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اس راہ پُر خطر میں آپ ﷺ کی دعوت کو زک پہنچانے کی سازشیں کی جائیں گی اور آپ ﷺ کو طرح طرح سے ایذائیں بھی پہنچائی جائیں گی، یہاں تک کہ لوگ آپ ﷺ کے خون کے پیاسے اور آپ ﷺ کی جان کے درپے ہو جائیں گے، لیکن اللہ رب العزت آپ ﷺ کو لوگوں سے بچاتے ہوئے اپنے حفظ و امان میں لے لے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ[۲۴]

[اے پیغمبر، جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دیجیے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔]

بعثت نبوی ﷺ کا مشن اور فریضۂ دعوت:

افکار ونظریات کے ہجوم اور ادیان ومذاہب کی کہکشاں میں مذہب اسلام صرف ایک عام نظریہ اور مذہب کی حیثیت سے اضافہ کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ اپنی شناخت منوانے کے لیے اور تمام افکار وادیان پر غلبہ وتسلط کے لیے آیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعہ یہ دین مکمل شکل میں اور نعمت عظمی کے طور پر ملا۔ یہ لاثانی نعمت تمام انسانیت کے لیے ہے، اس لیے اس کی عظمت انسانوں کے اذہان وقلوب پر حاوی رہنی چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت مبارکہ اسی عالمگیر دین کے ساتھ ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ یہ دنیا کے تمام افکار ونظریات اور مذاہب ومسالک پر غلبہ وتمکنت حاصل کرلے۔ اس روشن صداقت کو اللہ کی کتاب یوں واضح کرتی ہے:

هُوَ الَّذِىْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔[25]

[وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردے، اگرچہ مشرکین کو یہ ناگوار لگے۔]

اللہ کے پسندیدہ دین کا غلبہ وتسلط معبودان باطل کی نگاہوں میں شہتیر بن کر کھٹکتا ہے، اس کے جاری وساری ہونے اور تمام انسانوں کے تسلیم شدہ ضابطۂ زندگی ہونے میں آبا واجداد کی اندھی تقلید پر مبنی طریقۂ زندگی کا قلعہ زمین بوس ہوجاتا ہے، خودساختہ افکار ونظریات بے معنی ہوجاتے ہیں اور اقتدار کے پجاریوں کو کاری ضرب لگتی ہے، اس لیے دین حق کی راہ میں مخالفتوں کا سیل رواں سامنے آتا ہے اور دین اور اس

کے علمبرداروں کو انتہائی صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب دعوت کا کام شروع کیا تو انتہائی سنگین اور دلدوز احوال سے سابقہ پڑا۔ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کو نشانہ جور و ستم بنایا گیا اور اسلام کی شمع فروزاں کو گل کرنے کی ناپاک اور ناکام کوششیں کی گئیں۔ یہی مذموم کوششیں اور سنگین سازشیں آج بھی دین اور دین کے نام لیواؤں کے خلاف جاری ہیں۔ اس امر میں صداقت ہے کہ حق اور اہل حق کی قسمت میں ہی غلبہ و کامرانی ہے، اس لیے کہ اللہ کے دین کو جو سراپا روشنی ہے، منہ کی پھونکوں سے بجھایا نہیں جاسکتا اور یہ کہ اللہ کی تدبیر ساری تدبیروں پر حاوی ہو کر رہتی ہے۔ اعداء اسلام کی گھناؤنی کوششوں اور اللہ رب العزت کی منصوبہ بندی کا اعلامیہ اس آیت کریمہ میں ناطق ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔[۲۶]

[وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں، حالاں کہ اللہ اپنی روشنی مکمل کرنے والا ہے۔]

آپ ﷺ کا مشن جتنا بلند اور قابل قدر تھا اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اور تمام بندگان خدا میں عام کرنا انتہائی دشوار گزار اور پر پیچ تھا، جس کے لیے فہم و فراست اور حکمت و تدبیر کا اثاثہ ہی توشۂ راہ تھا۔ علامہ شبلیؒ کی ان عبارتوں میں آپ کے مشن کی بلندی نمایاں ہے:

"آنحضرت ﷺ نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلیں پیش نظر تھیں۔ اگر آپ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائیں یا حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں تو مشکل نہ تھی، لیکن خاتم الانبیا ﷺ کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا، اس لیے نہایت

تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ پُرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس کے لیے صرف وہ اشخاص لیے جاسکتے تھے جو فیضیاب صحبت ہوچکے تھے جن کو آپ ﷺ کے اخلاق وعادات کی ایک ایک حرکات وسکنات کا تجربہ ہوچکا تھا۔ جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کرچکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ آپ کی حرم محترم تھیں، حضرت علیؓ تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے، زیدؓ تھے جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خالص تھے اور حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں سے فیضیاب خدمت تھے'' ۔[۲۷]

دعوت کے ابتدائی مرحلے میں آپ کے قریب لوگوں کا حلقہ بگوش اسلام ہونا اور ہمہ وقت اسلامی کارکن کی حیثیت سے اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق سرگرم عمل رہنا، بجائے خود دعوت حق کی صداقت پر مہر تصدیق ہے۔ یہ وہ نفوس قدسیاں تھیں جو ایک مدت سے آپ کے اخلاق وکردار سے اچھی طرح واقف بلکہ شخصی زندگی کے اسرار سے بھی واقف تھیں۔ ان سے بڑھ کر آپ کے ذہن وفکر اور آپ کے کردار وعمل کو جاننے والا کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔ ایسی اولوالعزم اور پاکباز ہستیوں کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنا بذات خود دعوت کی صداقت وحقانیت، اس کی عظمت وتوقیر اور داعیٔ اعظم ﷺ کے اخلاص وبے لوثی کی ناقابل انکار شہادت تھی۔

حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام پیغمبران خدا نے خدائے واحد کی عبادت کو ہی اپنا منشور بنایا تھا اور اسی کو ہدف ومقصود بنا کر اپنی قوم کو آواز دی تھی۔ ہر نبی اپنے وقت کا چیدہ اور معزز ترین فرد تھا جس پر عنایت باری تعالیٰ سایہ فگن تھی۔ کفروشرک اور الحاد ودہریت کے ماحول میں ہر بنی نے اپنا فریضہ اللہ رب العزت کی سرپرستی میں انجام دیا اور یہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے مشن کے لحاظ سے کامیابی وکامرانی کی منزل سے بھی ہمکنار ہوئے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کا مشن عالمگیر تھا۔ مخصوص

قوم اور محدود خطہ وعلاقہ کے بجائے بلافرق وامتیاز رنگ ونسل پوری انسانی برادری آپ کی دعوت کی مخاطب تھی۔ اخلاص وللّٰہیت، اضطراب وبے چینی اور کردار وعمل کے اثاثے کے ساتھ آپ دعوت حق کے جاں گسل مراحل طے کرتے گئے اور بالآخر ہر گوشۂ زندگی اور ہر شعبۂ عمل میں وہ انقلاب برپا کیا جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اور قیامت تک اس جامع اور ہمہ گیر انقلاب کا کوئی ثانی نہیں ہوسکتا۔ آپ کے مشن کی کامیابی سے متعلق بیسویں صدی کے معروف ادیب وسیرت نگار نے کیا خوب کہا ہے:

> ''حضور ﷺ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ کی دعوت نے پورے کے پورے اجتماعی انسان کو اندر سے بدل دیا۔ اور صبغۃ اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے لے کر بازار تک، مدرسہ سے عدالت تک اور گھروں سے لے کر میدان جنگ تک چھا گیا، ذہن بدل گئے، خیالات کی رو بدل گئی، نگاہ کا زاویہ بدل گیا، عادات واطوار بدل گئے، رسوم ورواج بدل گئے، حقوق وفرائض کی تقسیمیں بدل گئیں، خیر وشر کے معیارات اور حلال وحرام کے پیمانے بدل گئے، اخلاقی قدریں بدل گئیں، دستور اور قانون بدل گیا، جنگ وصلح کے اسالیب بدل گئے، معیشت اور ازدواج کے اطوار بدل گئے اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایا پلٹ ہوگئی...... درحقیقت محسن انسانیت کے ہاتھوں انسانی زندگی کو نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی اور حضور نے ایک نظام حق کی صبح درخشاں سے مطلع تہذیب کو روشن کر کے بین الاقوامی دور تاریخ کا افتتاح فرمایا''۔[۲۸]

داعیٔ اسلام ﷺ مخالفتوں کے طوفان میں:

یوں تو مکی زندگی ہو یا مدنی زندگی، معاندین اسلام نے کبھی بھی دعوت اسلامی کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا اور شدومد کے ساتھ دعوت صالحہ کے متحارب ومتخاصم بن کر سامنے آئے، ہاں مخالفتوں کے معمولی اور غیر معمولی ہونے اور نرمی وسنگینی کے اعتبار

سے مکی دور کو بالخصوص چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلا دور بعثت نبوی سے شروع ہو کر اعلان نبوت پر منتج ہوتا ہے۔ یہ تین سالہ دور ہے جس میں دعوت خفیہ انداز سے مخصوص لوگوں کے گوش گزار کی جاتی ہے۔

دوسرا دور تین نبوی سے شروع ہوتا ہے اور پانچ نبوی پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ کم و بیش دو سال کی مدت ہے جس میں داعی اعظم ﷺ اور آپ کے رفقاء کار کو تحقیر و تذلیل، استہزاء و تضحیک اور سب وشتم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس دور کے اختتام تک نسبتاً غریب اور کمزور مسلمانوں پر آلام و مصائب کی سختیاں بھی شروع ہو جاتی ہیں۔

تیسرا دور پانچ نبوی سے شروع ہوتا ہے جو حضرت خدیجہؓ اور ابو طالبؒ کی وفات پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں نبی ﷺ اور آپ کے اہل ایمان ساتھیوں کو مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا، کفار مکہ کا ظلم واستبداد ہجرت حبشہ کا محرک بنا، ایمان کی لذت سے سرشار ہونے والوں کا معاشرتی مقاطعہ تک کیا گیا اور آپ ﷺ کو آپ کے خاندان اور دعوت حق کے دیگر جیالوں کے ساتھ شعب ابی طالب کا قیدی تک بنایا گیا، جہاں آپ ﷺ اور آپ کے احباب و رفقاءؓ کو سوکھی سوکھی پتیاں اور چمڑے تک کھانے پڑے۔

چوتھا دور دس نبوی سے تیرہ نبوی تک تقریباً تین سالوں پر مشتمل ہے۔ یہ دور آپ ﷺ اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں کے لیے انتہائی صبر آزما تھا۔ کفار و مشرکین اپنے موقف میں انتہائی سخت ہو گئے تھے اور کسی قیمت پر اپنے آبائی دین کا سودا کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ادھر سید الکونین ﷺ اور آپ کے تمام اہل ایمان رفقاءؓ نے اپنے آپ کو ہر مشکل گھڑی سے گزارنے کی ٹھان لی تھی۔ لیکن مظالم کے ایسے پہاڑ توڑے گئے کہ زندگی دوبھر ہو گئی۔ طائف میں بھی دلدوز سانحہ پیش آیا اور وہاں سے بھی مایوسی ہوئی، یہاں تک کہ مکہ کی زمین پورے طور پر زمین شور ثابت ہوئی اور اشارہ الٰہی کے مطابق مدینہ کو اپنا مستقر بنایا گیا، جہاں دین حق کے متوالوں اور شیدایان رسول ﷺ نے مہاجرین کا والہانہ استقبال کیا۔

دعوت کے پہلے دور میں رسول اللہ ﷺ اخلاص و دلسوزی اور ایثار و قربانی کا پیکر

بنے ہوئے حالات کی نزاکت اور وقت کی ضرورت کے تحت مخفی انداز میں مثل سیماب دعوت کے کام میں سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کی شبانہ روز جدوجہد کے نتیجے میں عورتوں میں سب سے پہلے ایمان کا شرف حاصل کرنے والی خود آپ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ ہوتی ہیں، مردوں میں یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے، بچوں میں دولت ایمان سے سرشار ہونے کا شرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاصل کرتے ہیں جب کہ غلاموں میں یہ سعادت عظمیٰ حضرت زید بن حارثہؓ کے حصے میں آتا ہے۔ تین سالہ دعوت کے اس مخفی دور میں حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت طلحہؓ تحریک اسلامی کے جانباز سپاہی اور فعال کارکن بن کر تحریک اسلامی کو خون جگر سے سینچتے رہے، جس کے نتیجے میں حضرت عمارؓ، حضرت خبابؓ، حضرت ارقمؓ، حضرت صہیبؓ رومی، تحریک اسلامی کے شیدائیوں میں شامل ہوتے ہیں اور السابقون الاولون کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔[29]

فاصدع بما تومر[30] کے ربانی ارشاد کے بعد دعوت حق اعلانیہ دعوت کے مرحلے میں داخل ہوتی ہے۔ رسول عربی ﷺ صبر و عزیمت کا دامن تھامے ہوئے اور دعوت کے خوشگوار نتائج کی توقعات سے اپنے ذہن و قلب کو سجائے ہوئے صفا کی بلندی پر وارد ہوتے ہیں اور بآواز بلند قریش سے ہمکلام ہوتے ہیں:

> ’اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک حملہ آور فوج ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنے والی ہے تو کیا تم میری بات کا اعتبار کرو گے۔ بغیر کسی توقف کے مجمع عام کی طرف سے بیک زبان یہ جواب ملتا ہے کہ کیوں نہیں؟ ہم نے تمہیں صادق پایا ہے، تم جو کچھ کہو گے سچ کہو گے۔ آپ ﷺ نے مخاطبین سے اپنی صداقت کا کلمہ پڑھوا کر فرمایا: اے بنو عبدالمطلب! اے بنو عبد مناف! اے بنو زہرہ! اے بنو تمیم! اے بنو مخزوم! اے بنو اسد! سنو! تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ ایک خدا پر ایمان لاؤ ورنہ تم اس کی پاداش میں سخت عذاب سے دوچا

رہو گے۔ یہ سن کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ کا چچا بھی شامل تھا، برہم ہو کر چلے گئے[۳۱] اور ابولہب نے تو یہاں تک کہا کہ تبًا لَكَ يَا مُحَمَّدًا لِهٰذَا جَمَعْتَنَا،[۳۲]

اعلانیہ دعوت کی مہم میں نبی کریم ﷺ نے حکمت و تدبیر پر مبنی دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ خانوادۂ عبدالمطلب کے افراد کو کھانے پر بلایا۔ اس مجلس ضیافت میں ابوطالب اور عباس جیسے اکابرین بنو ہاشم بھی شریک تھے۔ کھانے سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے سامعین کے سامنے ایک مختصر تقریر کی اور آپ نے فرمایا میں جس پیغام کا حامل ہوں اس میں دین و دنیا دونوں کی سرخروئی کی ضمانت ہے۔ آپ میں سے کون ہے جو اس مشن عزیز میں میرا شریک و رفیق بنتا ہے۔ اس استدعا پر پوری مجلس پر سکوت طاری ہو جاتا ہے اور ایک کم سن بچہ اس سکوت کو توڑتے ہوئے عرض خدمت کرتا ہے، اگرچہ میں آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں، اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں، اگرچہ میں صغیر السن ہوں، لیکن اس مشن میں آپ کا رفیق ہوں اور میری خدمات آپ کے لیے حاضر ہیں۔ حوصلوں اور جذبات سے پُر یہ پیش کش اس نوعمر بچے کی تھی جسے دنیا علیؓ کے نام سے جانتی ہے اور جن کا شمار تحریک اسلامی کے اساطین میں ہوتا ہے۔[۳۳]

تحریک اسلامی کا قافلہ اپنے قائد محمد عربی ﷺ کے زیر قیادت منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوتا ہے اور مشن عزیز کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے مشکلات و مسائل کی سنگلاخ وادیوں کو بھی سر کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ چالیس نفوس قدسیہ اس تحریک کے پُرجوش حامی بلکہ مبلغ ہو جاتے ہیں تو نبی عربی ﷺ حرم کعبہ میں کھڑے ہو کر توحید کی آواز بلند کرتے ہیں لیکن اقدار حیات کو تہ و بالا کرنے والے اور اخلاق کی حدوں کو تجاوز کرنے والے باپ دادا کے پرستاروں کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ محمد عربی ﷺ کے اس اقدام کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتے۔ کعبہ جو اللہ کا گھر تھا، جہاں سے اللہ واحد کی ہی آواز بلند ہونی چاہیے تھی، عقل کے اندھوں اور باطل خداؤں کے پجاریوں کے لیے ہتک عزت اور توہین کی بات تھی کہ خانہ خدا میں خدا کا بندہ خدا کی آواز بلند کرے اور خدا سے بھٹکے ہوئے

بندوں کو خدا سے ملا دے۔ نبی اکرم ﷺ کے اس اقدام پر ہر چہار جانب سے مشرکین وکفار ٹوٹ پڑتے ہیں۔ شوروغوغا سن کر حارث بن ابی اُم ہالہ آنحضور ﷺ کو بچانے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں، لیکن صحابیؓ موصوف پر تلواروں کی یلغار ہوتی ہے اور مدافعت حق میں آپ جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسلام اور جاہلیت کے تصادم وآویزش میں یہ پہلی جان تھی جو حق کی راہ میں اور حمایت رسول میں قربان ہوئی۔[۳۴]

مکہ مکرمہ میں اشاعت اسلام کا سلسلہ روز افزوں دراز ہوتا رہا۔ مخالفین نے اب استہزاء، تضحیک اور کٹ حجتیوں سے بڑھ کر داعیٔ اسلام اور دعوت حق کے حلقہ بگوش ہونے والے سرفروشوں کو اذیتوں سے دوچار کرنا شروع کیا۔ دوسری طرف بت پرستی کی مذمت میں بھی شدت آگئی اور اللہ رب العزت کے اس ارشاد کو اعلانیہ نذر مخاطبین کیا گیا:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ[۳۵]

[بے شک تم اور تمہارے وہ معبود جنھیں تم پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں، وہیں تم کو جانا ہے۔]

اس ہدایت ربانی کے بعد اعداء اسلام جذبات کی طوفانی لہروں میں غوطہ زن ہوگئے اور تحریک اسلامی کے وجود کو نابود کرنے کے درپے ہوگئے۔ ابن اسحاق کے بقول اسلام سے شرفیاب ہونے والوں اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والوں پر شدائد ومحن اور آلام ومصائب کے نت نئے حربے اختیار کیے گئے، ان کو قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار کیا گیا، مار پیٹ، بھوک، پیاس اور مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا۔[۳۶]

یوں تو حق کی حمایت سے سرشار چند قلوب کے علاوہ پورا مکہ داعیٔ اعظم ﷺ اور آپ کے حلقے میں آنے والے اصحاب ورفقاء کے گلے کی ہڈی اور آنکھوں کی شہتیر بنا ہوا تھا، تاہم ان مخالفین ومعاندین میں ابولہب، ام جمیل، ابوسفیان، ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط، ولید بن مغیرہ اور ابی بن خلف بغض وعداوت میں زعماء کا کردار ادا کر رہے تھے۔ اور سنگین بات تو یہ تھی کہ مخالفین یہ سمجھتے تھے کہ محمد ﷺ جو دین پیش کر رہے ہیں، وہ خانہ ساز

نہیں ہے اور بیشتر مخالفین پر اس کی موزونیت وحقانیت واضح تھی۔ ابوجہل تو دشمنانِ اسلام میں وہ کردار ہے جس نے سرورِ دوعالم ﷺ کے قتل کے کئی منصوبے بنائے اور اپنے فہم وفراست کے بل بوتے پر صاحب نبوت ﷺ اور تحریک اسلامی کا قلع قمع کرنے کے لیے متعدد تدابیر کیں، لیکن اس کی طرف سے مخالفتوں کا یہ طوفان محض آبا واجداد کے دین کے تقدس کو برقرار رکھنے اور اپنی چودھراہٹ کی شناخت باقی رکھنے کی وجہ سے تھی۔ لا الٰہ الا اللہ کہنے یا اس کا قائل ہوجانے کی وجہ سے اس کا آبائی دین مجروح ہو رہا تھا اور ریاست و اقتدار پر گہن لگ رہا تھا، جس کی بنا پر وہ عناد ومخالفت میں تا زندگی برسر پیکار رہا، لیکن دعوت حق کے عظیم ترین علمبردار محمد عربی ﷺ اور آپ کے اصحاب ؓ ورفقاء کو مشن سے باز رکھنے سے متعلق اس کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔

سیرت نگار اس کی اس عادت صالحہ کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ابوجہل قرآن کی شیرینی ولذت سے کما حقہ آشنا تھا اور اپنے احباب ورفقاء سے بچ بچا کر چھپ کر قرآن مجید کی قرأت کو سنتا تھا اور روحانی سرور محسوس کرتا تھا۔ اس کے لیے یہ بات تکلیف دہ تھی کہ اس کا اپنا قبیلہ بنوامیہ جو سخاوت اور دوسرے اوصاف میں محمد ﷺ کے قبیلے سے کم نہیں تھا، اب بنوہاشم کے فخر نبوت کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ یہ احساس کمتری تھا جس کی بنا پر اس نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کردیا اور صف اول کے مخالفین میں ہوکر رہا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں آنحضرت کی نبوت کو نہیں مانوں گا اگرچہ وہ جو تعلیم دیتے ہیں معقولیت اور صداقت پر مبنی ہے۔[۳۷]

غالباً دشمنانِ اسلام میں ابوجہل ہی وہ کردار ہے جو ایک طرف نبی آخر الزماں کی عظمت سے پوری طرح واقف تھا اور ان کے اخلاق عالیہ کا سکہ اس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا لیکن دوسری طرف یہی وہ شخص تھا جو نبی کریم ﷺ کے قتل کے درپے ہوا اور اس گھناؤنے اور انسانیت سوز کام کے لیے اقدامات بھی کیے جو سدا اس کی ہزیمت وناکامی اور شرمندگی و ندامت پر منتج ہوئے۔ مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اخلاق نبوی ﷺ سے ابوجہل کی مرعوبیت کے متعدد واقعات سپرد قلم کیے ہیں۔ راقم صرف ایک واقعہ ہی نذر قارئین کرنے

پر اکفتا کرتا ہے:

'ابوجہل ایک یتیم کا ولی تھا۔ نہ صحیح سے کھانا دیتا تھا اور نہ ہی صحیح سے کپڑا دیتا تھا اور اس کی دیگر ضروریات کا بھی لحاظ نہ کرتا تھا۔ محمد ﷺ خانۂ کعبہ کے ایک گوشے میں محو عبادت تھے۔ قریش کے سردار محفل جمائے خانۂ کعبہ میں بیٹھے تھے، یہ یتیم ان سرداران قریش کے پاس گیا اور اپنا دکھڑا سنانے لگا۔ از راہ شرارت قریش کے سرداروں نے محمد ﷺ کی طرف اشارہ کر دیا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ ابوجہل کون ہے اور محمد عربی ﷺ سے اس کی کیا پرخاش ہے۔ چنانچہ وہ یتیم محزون ومغموم حضور پرنور ﷺ کے پاس پہنچا اور ابوجہل کے خلاف شکوہ رنج ہوا۔ سرداران قریش اندر ہی اندر ہنس رہے تھے اور محمد اور ابوجہل کے گتھم گتھا ہونے کی امید لیے ہوئے تماشائی بنے ہوئے تھے۔ جب حضور ﷺ نے یتیم کی طرف سے صفائی پیش کی اور اس کے حق کا مطالبہ کیا تو وہ فوراً اس کا حق دینے کو تیار ہو گیا۔ اس پر محمد ﷺ اور ابوجہل کے درمیان نازیبا عمل اور کسی جھڑپ کے وقوع پذیر ہونے کی توقع لیے ہوئے سرداران قریش کو شرمندگی اٹھانی پڑی۔ انھوں نے ابوجہل کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا تو دشمن اسلام نے اپنے خوف و دہشت کا اظہار کیا اور سرداران قریش سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں نے یہ محسوس کیا کہ محمد ﷺ کے دائیں اور بائیں ایک حربہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا، اگر ذرا بھی آپ کی مرضی کے خلاف کرتا'۔[۳۸]

ابولہب تو اول روز سے دعوت حق اور داعیٔ اعظم ﷺ کا مخالف تھا۔ جہاں کہیں بھی آپ دعوت حق کا کام کرنے جاتے وہ آپ کے پیچھے ہو لیتا اور وہاں کا ماحول مکدر کر کے اللہ کے رسول کو اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا۔ آپ ﷺ کی مخالفت ابولہب

کا وطیرۂ حیات بن گیا تھا۔ چنانچہ جہاں بھی نبی اکرم ﷺ دعوتی مہم پر جاتے، وہ خود جاتا اور لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف مشتعل کر دیتا۔ اگر خود نہ جاتا تو وہ اپنے ہم خیالوں کو یا اپنے ماتحتین کو اجرت پر مخالفت کے لیے آمادہ کرتا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی شریکۂ حیات ام جمیل بھی پیش پیش رہتی اور نبی عربی کو ایذاء پہنچا کر طمانیت قلب حاصل کرتی تھی۔ وہ بلا ناغہ سالہا سال تک غلاظت اور کانٹے ڈال دیا کرتی تھی اور اپنے اوچھے پن کا ثبوت دیا کرتی تھی۔ آپ ﷺ اس کی حرکتوں سے پریشان رہتے اور بڑی محنت ومشقت سے ان تکلیف دہ چیزوں کو صاف کرتے تھے۔ چچا اور چچی کی طرف سے سالہا سال آپ ﷺ اذیتوں کو جھیلتے رہے، بالآخر اللہ رب العزت نے تسکین قلب کے لیے ابولہب اورام جمیل کی ناکامی ونامرادی کا اعلان کر دیا اور اسی دنیا کے اندر نوید جہنم سنادی۔ [۳۹]

بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے پوچھا کہ آپ نے مشرکین کا سب سے زیادہ سخت برتاؤ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا دیکھا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ ایک دن آپ صحن کعبہ میں (اور ایک روایت میں ہے حجر کعبہ میں) مصروف نماز تھے۔ یکایک عقبہ بن ابن معیط آگے بڑھا اور اس نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر بل دینا شروع کر دیا، تاکہ گلا گھونٹ کر آپ کو موت کے آغوش میں پہنچا دے۔ مگر عین وقت پر ابوبکر تشریف لے آئے اور انھوں نے دھتکارتے ہوئے اسے ہٹادیا۔ حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ جس وقت ابوبکر صدیقؓ اس کافر وظالم سے کشمکش کر رہے تھے اس وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے: اَتَـقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ (کیا تم ایک شخص کو صرف اس قصور میں مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ [۴۰]

کفار مکہ کی ایذاء رسانیوں سے تنگ آکر نبی کریم ﷺ نے جان وایمان بچانے کے لیے اپنے صحابہؓ کو ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی اور اہل ایمان نے اس رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حبشہ کو اپنا مستقر بنایا۔ شاہ حبشہ نجاشی کے فراخدلانہ تعاون سے ایک طرف اہل اسلام کو تقویت ملی تو دوسری طرف کفر وشرک کے ایوانوں میں ہلچل مچ گئی، اس

لیے کہ کفار قریش کی نمائندگی کرنے والے دو مستقل مزاج اور اپنے موقف میں سخت حضرات عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو پشیمانی کا سامنا کرنا پڑا، کیوں کہ شاہ حبشہ کی بارگاہ سے مسلمانوں کو واپس لانے سے متعلق قریش کی ساری تدبیروں پر پانی پھر گیا تھا۔[۱۳]

دعوت اسلامی کو نیست ونابود کرنے کی انتھک کوششوں اور اذیت ناک اقدامات کے باوجود جب روز بروز قافلۂ حق کے علمبرداروں میں اضافہ ہوتا گیا اور اسلام کی ضیاء پاش کرنیں جویائے حق کے اذہان وقلوب کو بتدریج روشن کرتی گئیں تو سرداران قریش کے لیے بالخصوص اور دیگر کفار ومشرکین کے لیے بالعموم یہ امر لمحہ فکریہ بنتا گیا اور اب انھوں نے داعیٔ اعظم ﷺ کو ترغیب وتحریص، بے جا نرمی ومصالحت اور تہدید وتخویف کے دام میں گرفتار کرنے اور قتل کرنے کی تدبیریں سوچیں۔

معاندین اسلام کی مجلس میں غور وفکر ہو رہا تھا کہ کس طرح محمد ﷺ کو اس کی روش سے باز رکھا جائے۔ ناامیدی، مایوسی اور پے درپے شکست وہزیمت کے احوال میں اس بات پر اتفاق ہوا کہ مکہ کے مشہور مالدار سردار عتبہ بن ربیعہ محمد ﷺ کے پاس جائے اور کچھ ایسی صورتیں ان کے سامنے رکھے کہ خواہی نہ خواہی وہ حرص وطمع کے دام میں پھنس جائیں اور پھر اپنے نئے دین کو خیر باد کہہ کر اپنے باپ دادا کے دین سے رشتہ جوڑ لیں۔ عقبہ نے حضور ﷺ سے یوں گفتگو کی:

> ''میرے بھتیجے محمد! اگر تم اپنے اس اقدام وکارروائی سے مال ودولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت اکٹھا کر دیتے ہیں کہ تم مالا مال ہو جاؤ۔ اگر تم عزت چاہتے ہو اور سرداری وقیادت کے خواہاں ہو تو ہم سب تم کو اپنا رئیس مان لیتے ہیں۔ اگر اقتدار وحکومت کی خواہش ہے تو ہم تم کو بادشاہ عرب بنا دیتے ہیں۔ تم جو چاہو سو کرنے کو حاضر ہیں۔ اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل ونقص واقع ہو گیا ہے تو یہ بھی بتاؤ، ہم تمہارا علاج کرا دیتے ہیں، ہاں

مگر یہ کہ تم اس طریق زندگی سے باز آجاؤ"۔[۴۲]

اس پوری پیش کش کو سن کر حضور ﷺ نے فرمایا ابوالولید! کیا تم اپنی بات کہہ چکے؟ اس نے کہا "ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "اب میری سنو! اس نے کہا، "کہو"۔ حضور ﷺ نے پوری پیش کش (Offer) کو مسترد کرتے ہوئے حمٓ السجدۃ کی آیات[۴۳] سنائیں جن میں عظمت قرآن کو واشگاف انداز میں بیان کیا گیا اور فرمایا گیا کہ ایمان لانے والوں کے لیے سراپا تبشیر اور انکار کرنے والوں کے لیے سراپا تنذیر ہے۔ اس میں صاف صاف یہ کہا گیا کہ تمہاری راہ الگ ہے اور ہماری راہ الگ ہے۔

کلام ربانی کی ان آیات کے سننے کے بعد عتبہ پر محویت کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ ہاتھوں پر سہارا دیئے گردن پشت پر رکھ کر سنتا رہا اور آخر کار خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔ قریش جو نتیجۂ ملاقات سننے کے منتظر و مشتاق تھے، جمع ہو گئے اور اضطراب و بے قراری کے ساتھ پوچھا، کیا دیکھا، کیا کہا اور کیا سنا؟ عتبہ بولا، اے اہل قریش! میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں جو نہ کہانت ہے، نہ شعر ہے، نہ جادو ہے اور نہ منتر ہے۔ تم میرا کہا مانو، میری رائے پر چلو اور محمد ﷺ کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا لو عتبہ پر بھی محمد کی زبان کا جادو چل گیا۔[۴۴]

اس سلسلے میں عتبہ کی کوشش کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک دوسری اجتماعی اور منظم کوشش کی گئی۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام اور امیہ بن خلف کے علاوہ بعض دوسرے زعمائے کفر و شرک غروب آفتاب کے بعد کعبہ کے پاس جمع ہوئے اور رسول خدا ﷺ کو بلا بھیجا۔ آپ ﷺ خوشگوار توقعات کے ساتھ موقع پر حاضر ہو گئے۔ ان سرداروں نے اسی پیش کش کا جو عتبہ کے ذریعہ کی گئی تھی، اعادہ کیا۔ اسے سن کر حضور نے مسکت جواب دیا، جس میں ایک طرف جرأت و بے باکی ہے تو دوسری طرف شان استغناء اور بے نیازی ہے۔ اعداء اسلام کو حضور ﷺ کا بے باکانہ اور طمانیت قلب سے بھرپور جواب ملاحظہ فرمائیے:

"تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو، میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ میں

جو دعوت تمہارے سامنے لے کر اٹھا ہوں، اسے اس لیے پیش نہیں
کر رہا ہوں کہ اس کے ذریعہ تم سے مال و دولت حاصل کروں یا
تمہارے اندر سرداری حاصل کروں یا تم پر بادشاہت قائم کروں،
مجھے تو خدا نے تمہارے سامنے اپنا پیغامبر بنا کر اٹھایا ہے۔ اس نے
مجھ پر کتاب اتاری ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے لیے بشیر و نذیر
بنوں۔ سو میں نے خدا کی ہدایات تم تک پہنچا دیں ہیں اور تمہاری
خیر خواہی کا حق ادا کیا ہے۔ اب جو کچھ میں لایا ہوں، اگر اسے تم
قبول کر لو تو وہ تمہارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے اور
اگر تم اسے میری طرف پھینک دو تو میں اللہ کے حکم کے انتظار میں
صبر دکھاؤں گا، یہاں تک کہ خدا میرے اور تم لوگوں کے درمیان
اپنا فیصلہ صادر فرما دے'' [۴۵]

استحضار آخرت اور دعوت کی راہ میں نبی کریم ﷺ کا شیوہ:

قرآن وسنت کی تعلیمات اس صداقت پر بین دلیل ہیں کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ اس دنیا کے بعد جو دنیا ہوگی اسے آخرت کہتے ہیں اور یہی دار الجزا ہے۔ ہاں صحت مند اسلامی موقف یہ ہے کہ دنیا اگر ایمان و اخلاص کی حالت میں مل رہی ہو اور اس کا استعمال بھی اللہ کی مرضی کے مطابق اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو رہا ہو تو پھر یہ انعام خداوندی ہے اور یہ 'حسنۃ' سے موسوم ہے، جس کے حصول کے لیے بندہ شب و روز کی نمازوں میں اور دیگر اوقات میں بھی دعا گو ہوتا ہے۔ [۴۶]

آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی حتمی و قطعی کامیابی کو نظر انداز کر کے اگر اس دنیا کے حصول کی جدوجہد کی جائے اور دنیا اور اسباب دنیا کو مرضئ مولا کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہی دنیا وجہ فتنہ بن جاتی ہے [۴۷] اور یہی دنیا اللہ رب العزت کی نگاہ میں متاع غرور قرار پاتی ہے۔ [۴۸]

سعی و کاوش اور جدوجہد کا مرکز آخرت کی پائیدار اور لافانی زندگی کو بننا چاہیے۔

قرآن مجید میں کہیں سارعوا[۴۹] کہہ کر اور کہیں سابقوا[۵۰] کہہ کر ایمان لانے والوں کو توشۂ آخرت فراہم کرنے کی تلقین کی گئی ہے، بلکہ اس زندگی کو اصل ہدف ومقصود کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ایک جگہ واضح الفاظ میں آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی لازوال مسرتوں کے لیے فکر مندی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ فرمان باری تعالی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ[۵۱]

[اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو اس کے لیے فکر مند رہنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا کچھ بھیج رکھا ہے۔]

آخرت پر جس کی نگاہ ہو، حدود وقیود کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے زندگی بسر کر رہا ہو اور اپنی ہر سعی وعمل میں ذخیرہ آخرت کی فراہمی کو مرکز توجہ بناتا ہو، ایسے شخص کو رسالت مآب ﷺ دانا وبینا قرار دیتے ہیں۔ فرمایا جاتا ہے:

اَلْكَيِّسُ مِنَّا مَن دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لما بَعْدَ الْمَوتِ[۵۲]

[ہم میں دانا وبینا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے۔]

دنیا سے بے جا محبت، آخرت کے عدم استحضار کا بڑا مظہر ہے۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اگر جو دل دنیا اور لذائذ دنیا کی چاہت کا نشیمن بن جاتا ہے اللہ کا خوف دل سے نکل جاتا ہے اور مالک حقیقی کے سامنے جوابدہی کے احساس سے اس کا قلب وضمیر معدوم ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں مال ودولت کی حرص، شوکت واقتدار کی ہوس، شرف وعزت کی خواہش اور آرام وراحت کی طلب کسی بھی جماعت یا تحریک کے علمبردار کو اپنے موقف سے پھیر دیتی ہے۔

ایمان کی دولت سے متمتع ہونے والے افراد قرآن مجید میں خیر امت،[۵۳] امت وسط[۵۴] اور شہداء علی الناس[۵۵] کے القاب سے نوازے گئے ہیں اور انھیں اللہ کے آخری رسول ﷺ کے امتی ہونے کا شرف ہے۔ خیر امت اور امت محمدیہ کے نمائندہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ اللہ رب العزت کی عطا فرمودہ انمول نعمت[۵۶]

دین اسلام کو اپنی زندگی میں بے کم وکاست نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔ اپنے گھر میں، معاشرے میں، ملک میں بلکہ پوری دنیا میں اس کی تعلیمات کو جاری وساری کرنے کا عزم و عمل ہی دراصل دین اسلام سے تعلق اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن سے محبت کی دلیل ہے۔ دین اسلام محض چند معتقدات اور چند اعمال کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک مکمل ضابطہ ہے جس کو پورے طور پر برتنے کی تلقین کی جاتی ہے[57] اور یہ ادیان ومذاہب کی بزم میں محض ایک مذہب کے اضافہ کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ تمام افکار ونظریات اور ادیان و مذاہب پر غلبہ وتسلط کے لیے آیا ہے۔ اس دین کے ساتھ رسول اللہ کی بعثت مبارکہ کا یہی مقصد ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔

دین اسلام کے غلبہ وتفوق کی جدوجہد عظیم الشان اور مبارک عمل ہے۔ لیکن کفروشرک کے علمبردارا سے ٹھنڈے پیٹوں قطعاً برداشت نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی حرص وطمع کے ذریعہ تو کبھی خوف ودہشت کے ذریعہ اور کبھی سمجھوتہ اور مصالحت کے بظاہر خوشکن اور جاذب نظر پیش کش کے ذریعہ علمبردارن اسلام کو اپنے موقف سے پھیرنے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں۔ لیکن یہاں تقاضا ہوتا ہے کہ اخلاص وللّٰہیت کا عملی ثبوت پیش کیا جائے اور موقف کو مجروح کرنے والی چیزوں سے نہ صرف یہ کہ اجتناب کیا جائے بلکہ اس سے متنفر ہوا جائے۔ حالات چاہے جتنے ناخوش گوار ونامساعد ہوں، مال، عزت اور اقتدار کی ہوس میں اپنے وجود کو پُرخطر اور مخدوش نہ بنایا جائے۔ اس سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ دعوت جب اعلانیہ مرحلے میں پہنچتی ہے تو اعتراض، استہزاء اور طعن وتشنیع کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابؓ نبی کو مارپیٹ، قیدوبند اور اندوہناک جسمانی اذیتوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ ایسے ماحول میں کفروشرک کے علمبرداروں کے ذریعہ مال وزر اور حکومت واقتدار کی لالچ دی جاتی ہے، آرام وراحت اور لذائذ دنیا کی پیش کش کی جاتی ہے لیکن سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فریضہ منصبی کی عظمت کو بالائے طاق نہیں رکھتے اور مستغنی وبے نیاز ہوکر برملا اظہار کرتے ہیں کہ میں خدا کی طرف سے ایک امانت لے کر آیا ہوں اور اس امانت کو بغیر کسی حرص وطمع کے تم تک

پہنچانا چاہتا ہوں۔ جہاں تک رہی بات اس کار عظیم میں اپنا وقت اور جان کھپانے کی، تو یہ میرے لیے شرف واعزاز کی بات ہے۔ بندگان خدا کے تئیں بشیر ونذیر کا فریضہ انجام دے کر میں اسی ہستی برتر کی مرضی کے حصول کا سراپا اشتیاق ہوں جس نے مجھے اپنے دین کا امین بنا کر بھیجا ہے۔

محمد عربی ﷺ کے اسوۂ دعوت میں روشن ہدایات:

آج امت مسلمہ دین حنیف کی امین اور داعی ہے۔ بلا شبہ اسے اپنے نبی ﷺ کی امت ہونے کا فخر وشرف حاصل ہے۔ نبی ﷺ سے محبت اللہ کی محبت کی کسوٹی ہے لیکن نبی سے محبت کا حق ادا ہی نہیں ہوسکتا جب تک اس کے مشن اور طریقۂ کار سے محبت نہ ہو۔ دعوت دین کا فریضہ امت کی شناخت ہے۔ اگر دعوت وتبلیغ کا فریضہ نظر انداز کر دیا جائے تو امت اپنی شناخت کھو بیٹھتی ہے۔ دین کی اس امانت عظمی کو اگر اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق مدعو معاشرہ تک نہیں پہنچایا جاتا ہے تو گویا ایک بڑی خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اس راہ کے راہی کو دشمنان دین انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر اپنے موقف سے پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج علاقائی سطح پر، صوبائی سطح پر، قومی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر مال وزر اور کرسی واقتدار کا جھانسہ دلا کر اہل ایمان کے قدموں کو متزلزل کرنے کی ناپاک کوششیں ہورہی ہیں۔ لیکن اگر اللہ کی رضا کے حصول کو ہم سعادت عظمی سمجھتے ہیں اور اس کے دین کی کما حقہ تبلیغ واشاعت کو اس کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو ہمیں مال ودولت اور حکومت واقتدار کے متوالوں کے سامنے اپنے مشن کی عظمت کا اعلان کرنا ہوگا اور اس سے ہر حال میں تمسک کو اپنا شیوہ وشعار بنانا ہوگا، جبھی دشمنان دین کے حوصلے پست ہوں گے اور ہم امت دعوت کی حیثیت سے اس دنیا کی چند روزہ زندگی میں بھی سرخرو ہوں گے اور آخرت کی ابدی زندگی کی سعادتوں سے بھی شرفیاب ہوں گے۔

مال ودولت اور حشمت واقتدار کے پجاریوں کی پیش کش کے جواب میں محمد عربی ﷺ کی طرف سے اخلاص وللہیت سے پر جرأت مندانہ جواب سے آج امت کو یہی قیمتی سبق ملتا ہے کہ اللہ کے دین سے بے لوث محبت اور طریقہ عمل ایک موحد کے شایانِ شان

ہو جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اور خدا کے دین کی سر بلندی کے لیے آخرت کی سعادت مندی کو ہی پیش نگاہ رکھتا ہو اور کسی دنیوی لالچ کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتا ہو۔

اہل مکہ نے حضور اکرم ﷺ کو موقف سے پھیرنے کے لیے ایک طرف حرص وطمع کے دام میں گرفتار کرنا چاہا تو دوسری طرف تہدید و تخویف کے ذریعہ مقدس مشن سے پھیرنے کی کوشش کی۔ باپ دادا کے دین کے تقدس کو پامال ہوتے ہوئے وہ ہرگز دیکھنا نہیں چاہتے تھے، اس لیے ان کی خواہش وچاہت یہی تھی کہ وہ محمد عربی ﷺ کا صفایا کر دیں۔ لیکن اس کے نتیجے میں قبائلی عصبیت کے تحت خونریزی کی آگ بھڑک سکتی تھی،[58] اس لیے وہ اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر تھے۔ ہاں مخالفین سر جوڑ کر اس نتیجے پر پہنچے کہ محمد عربی ﷺ کو ابوطالب کی سرپرستی سے محروم کر دیا جائے۔ چنانچہ ابوطالب پر دباؤ ڈالنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ عتبہ، شیبہ، ابوسفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل کے علاوہ دیگر اکابر قریش پر مشتمل قافلہ ابوطالب کے پاس آتا ہے اور ابوطالب کو متنبہ کرتا ہے کہ تیرا بھتیجہ جس مسلک کی تشہیر کر رہا ہے، اس سے ہمارے بڑوں اور بزرگوں کی شخصیت مجروح ہو رہی ہے، لہٰذا اس کو اس قسم کی زیادتی سے باز رکھو یا ہمارے اور اس کے درمیان سے تم نکل جاؤ۔[59]

رسول اللہ ﷺ کو کاروان قریش کی اس تہدید آمیز گفتگو کا علم ہوا، لیکن دعوت وتبلیغ میں آپ کے شب وروز یوں ہی گزرتے گئے اور اپنے مسلک ومشن کی تشہیر وتبلیغ میں بدستور اسی جذبہ وجوش کے ساتھ لگے رہے۔ یہ اعداء اسلام دن بدن حلقہ اسلام کی وسعت سے پیچ وتاب کھاتے رہے، یہاں تک کہ دوسری بار ایک قافلہ آتا ہے اور ابوطالب سے خوشامدانہ گفتگو کرتے ہوئے بھتیجے سے متعلق سخت لہجے میں مخاطب ہوتا ہے کہ ہمارے متنبہ کرنے کے باوجود تم نے اپنے بھتیجے کو باز نہیں رکھا۔ اس کی طرف سے ہمارے آباؤاجداد پر سب وشتم کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا ہے۔ اے ابوطالب! تمہارے بھتیجے کا اس گستاخی پر اصرار ناقابل برداشت ہے۔ اگر تم نے اسے اس کی حرکتوں سے باز نہیں رکھا تو سنو! ہم اس سے بھی اور تم سے بھی برسرپیکار ہوں گے یہاں تک کہ ایک فریق کا

صفایا ہو جائے۔[۶۰]

ایک طرف بھتیجے کی محبت ہے تو دوسری طرف قریش میں اپنی سرداری کا معاملہ، ان دونوں احوال کے کشمکش میں ابوطالب نے لجاجت بھرے انداز میں بھتیجے کو مخاطب کیا کہ بیٹا! مجھے مالایطاق کا متحمل نہ بناؤ۔ چچا کے اس اضطراب واضمحلال کی کیفیت کا عینی مشاہدہ کرتے ہوئے جس جذبۂ صادق اور عزیمت واستقلال کا مظاہرہ نبی عربی ﷺ کی طرف سے ہوا، تاریخ میں کسی بھی مذہب کے پیشوا کسی اور تحریک کے شیدائی سے نہیں سنا گیا۔ قافلہ قریش کے چیلنج اور اس پر ابوطالب کی متزلزل کیفیت پر داعیٔ اعظم ﷺ کا جواب تھا:

> ''چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور مجھے کہیں کہ تم اپنے مشن سے باز آجاؤ تو یہ بالکل ناممکن ہے، یہاں تک کہ اللہ اس مشن کو غلبہ بخش دے یا میری جان اس مشن کی تبلیغ میں چلی جائے''[۶۱]

یقیناً یہ عزم جواں اور دیوہیکل پہاڑ کا سا استقلال تھا جس کا اظہار اپنے مشن عزیز کی راہ میں وقت کے داعی ﷺ نے کیا تھا اور بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ماضی میں کسی عظیم المرتبت شخصیت کی طرف سے اپنے مقصد سے عشق کے نتیجے میں ایسا مظاہرہ ہوا اور نہ مستقبل میں کوئی راہنمائے مذہب یا قائد تحریک اپنے منشور سے اس قسم کی شیفتگی کی حد تک اپنی محبت کا مظاہرہ کر سکے گا۔ اس لیے کہ یہ ذات گرامی جو سرتا پا خیر و برکت ہے، وہ تا قیامت پوری انسانی برادری کے لیے اسوہ کامل بنی رہے گی۔

کلمہ طیبہ جو چند انقلابی بولوں پر مشتمل ہے، ان کے علمبردار امت دعوت اور خیر امت کے علمبردار ہونے کا پروانہ حاصل کرتے ہیں۔ ہر کلمہ گو اور ایمان والے کو اللہ رب العزت کی بشارت ملتی ہے کہ مقصد عزیز کی راہ میں شدائد ومحن پر استقامت دراصل رحمت خداوندی کا استحقاق ثابت کرتی ہے اور ایسے ہی لوگ فائز المرام ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت میں ایک طرف تو بہانگ دہل اس صداقت کا اعلان ہوتا ہے کہ مصائب ہر بندہ مومن کے لیے توشۂ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں یا یوں بھی تعبیر کی

جاسکتی ہے کہ ایمان اور مصیبت دونوں لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسری طرف اسی آیت کریمہ میں اس پر استقلال و پامردی کا مظاہرہ کرنے والوں پر خدائے ذوالجلال کی رحمت کے سایہ فگن ہونے کا اعلان ہوتا ہے اور ہدایت کے باب میں یہی لوگ فیض یافتہ ثابت ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ سنیے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ [۶۲]

[اور ہم ضرور تمھیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال اور پھلوں کے نقصانات کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ اے محمد ﷺ آپ بشارت دے دیجیے ان لوگوں کو جو صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ہوگی، اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔]

بندہ مومن سے رسمی طور پر چند بولوں پر مشتمل کلمۂ طیبہ کے محض اقرار واعلان کا مطالبہ نہیں ہوتا، بلکہ دل کی پوری بشاشت کے ساتھ لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر اعلان کرنا اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا پُرزور تقاضا ہوتا ہے۔ ایمان کی اس روش پر قائم رہتے ہوئے اپنوں کی طرف سے بھی اور غیروں کی طرف سے بھی طرح طرح کے موانع و مشکلات اہل ایمان کے لیے سدراہ بنتی ہیں۔ پوری تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جس نے جتنا بڑھ کر ایمان کا دعویٰ اور اللہ واحد سے محبت کا اعلان کیا اس پر اتنی ہی زیادہ مصیبتیں آئی ہیں۔ انبیاء ورسل خدا کے چیدہ بندے ہوتے ہیں۔ انھیں موقف کی راہ میں جن صبر آزما

مراحل سے گزرنا پڑا، ان کے بالمقابل انسانی برادری کے کسی گروہ کو سابقہ نہیں پڑا۔ مصائب کی بھٹیوں میں جلتے ہوئے وقت کا رسول اور اہل ایمان ساتھی یہ چیخ پڑتے ہیں کہ خدا کی تائید ونصرت کب آئے گی۔ قرآن اس سلسلے میں صریح الفاظ میں عام افراد امت کو یہ پیغام گوش گزار کرتا ہے:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْاْ مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُواْ حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللّهِ[۶۳]

[پھر کیا تم لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ تم لوگ جنت میں داخل ہوجاؤ گے؟ حالاں کہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں لاحق ہوئیں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتی کہ وقت کا رسول اور اس کے اہل ایمان ساتھی چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔]

تاریخ کی یہ روشن اور تلخ حقیقت ہے کہ رسول پاک ﷺ کو دین حق کی راہ میں مصائب کی گھنگور گھٹاؤں نے گھیرا، متعدد بار خانہ کعبہ کے اندر انسانیت کے اس نجات دہندہ کے ساتھ گھناؤنی اور انسانیت کش حرکتیں ہوئیں، آپ کی نگاہوں کے سامنے آپ پر ایمان لانے والوں کو نیم برہنہ حالت میں صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا، سینوں پر پتھر رکھے گئے اور کئی کئی دن تک انھیں فاقے کرنے پڑے، لیکن جن قلوب میں ایمان کی تخم ریزی ہوچکی تھی وہ دھیرے دھیرے شجر سایہ دار کی شکل اختیار کرچکا تھا۔ اس لیے کوئی مصیبت ان کو اپنے مقصد سے پھیرنے میں مانع ومزاحم نہ بن سکی۔ اس باب میں رسول عربی ﷺ آج امت کے ہر فرد کے لیے بالخصوص اور پوری انسانی برادری کے لیے بالعموم نمونۂ کامل ہیں۔

مکہ کی انتہائی سنگلاخ زمین پر انتہائی پُرآشوب حالات میں جب آپ یکہ وتنہا کھڑے ہوتے ہیں اور ایسے ماحول میں لا الٰہ الا اللہ (نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ) کی

جرأت مندانہ آواز بلند کرتے ہیں تو گویا آپ بھوکے بھیڑیوں کو بھنبھوڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اعیان قریش مال ومتاع اور دولت واقتدار کی پیش کش میں ناکامی کے بعد پیچ وتاب کھاتے ہیں۔ نیز ولدوز دھمکیوں اور انسانیت سوز حرکتوں کا ثبوت دیتے ہیں۔ آپ پر جو مصیبتیں آئی ہیں ان کے سلسلے میں خود آپ فرماتے ہیں:

> ''اللہ کی راہ میں مجھے ڈرانے دھمکانے کے لیے وہ کچھ کیا گیا کہ کسی دوسرے کے لیے نہیں کیا گیا۔ اللہ کی راہ میں مجھے اتنا دُکھ دیا گیا کہ کسی دوسرے کو نہیں دیا گیا اور مجھ پر تیس دن رات (مسلسل) ایسے گذرے کہ میرے اور بلالؓ کو کوئی ایسا کھانا مہیا نہ ہوسکا جسے جاندار کھاتے ہوں، بجز اس شے کے جسے (چھوٹی سی پوٹلی بنا کر) بلال اپنی بغل میں داب لیتے۔ ۶۴

آج امت کا ہر ہر فرد اپنے نبی ﷺ سے عشق کا علم بلند کرتا نظر آتا ہے، لیکن اس عشق و محبت کا صحیح حق اسی وقت ادا ہوسکتا ہے، جب یہ ٹھان لیا جائے کہ کیسے ہی سنگین حالات ہوں، بظاہر حمایتی بھی ٹوٹتے نظر آتے ہوں اور ہر طرف سے مصیبتوں کی یلغار ہورہی ہو، پھر بھی دعوت حق کو مجروح نہیں ہونے دیں گے اور خوف وہراس میں مبتلا کرنے والی کسی بھی آواز کو خاطر میں نہیں لائیں گے۔ ابوطالب کی سرپرستی سے محروم کردینے کی جو سازشیں اعداء اسلام کی طرف سے رچی گئی تھیں، ان کا مسکت اور حوصلہ شکن جو جواب محمد عربی ﷺ کی طرف سے دیا گیا تھا، اسے آج بھی امت کے ہر ہر فرد کے قلب میں صدائے بازگشت بننی چاہیے تاکہ باطل کے حوصلے پست ہوں اور جذبہ ایمانی اور حوصلہ واستقلال دیکھ کر ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو۔ جب فریضہ دین کی ادائیگی میں استقامت کا ایسا مظاہرہ کیا جائے گا تو یقیناً باطل کی ہمہ جہت کوششیں منہ کی پھونک ثابت ہوگی اور خدائی فوجدار کی شکل میں فرشتوں کا نزول ہوگا جو خدا کی جنت کی بشارت دیں گے اور اس دنیا میں بھی خدا کی طرف سے تائید ونصرت پر مامور ہوں گے۔ ۶۵

رسول خدا ﷺ زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلی وانقلاب کے خواہاں بلکہ خوگر تھے اور

آپ ﷺ کی دعوت مخاطبین کو ہر زاویے سے متاثر کر رہی تھی۔ مخالفتوں کا طوفان ان کی طرف سے اسی لیے کھڑا کیا گیا کہ ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور ان کی دعوت کفار و مشرکین کے آبائی دین کے قصر عظمت کو زمین بوس کر رہی تھی تو دوسری طرف اقتدار کے ان پجاریوں کو یہ پیغام دے رہی تھی کہ اقتدار اعلیٰ ذات باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، طاقت وقوت کا سرچشمہ صرف وہ ہے اور اسی کا قانون اس زمین پر انسانوں کے امن وآشتی اور خیر وفلاح کا ضامن ہے۔ تیسری طرف تمام معاشرتی برائیوں کے انسداد میں آپ ﷺ انسانوں کے چین وسکون کا راز پا رہے تھے اور کسی خوف وہراس اور حرص و طمع کے بغیر تمام تر معاشرتی برائیوں کا قلع قمع کرنے پر مصر تھے۔ آپ ﷺ کی یہ دعوت صرف مکے کے لیے نہیں تھی بلکہ آپ نذیر وبشیر کی حیثیت سے پوری دنیائے انسانیت کے مسیحا تھے اور پوری دنیا میں دعوت حق کو عام کر کے دنیا کو عظیم الشان تہذیب وتمدن سے ہمکنار کرانا چاہتے تھے۔ ایک مغربی دانش ور کے مندرجہ ذیل جملوں سے داعیٔ اعظم ﷺ کی ہمہ گیر اور عالمی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے:

> The prophet of Islam was religious, political and social reformer who gave rise to one of the great civilizations of the world. From a modern historical perspective, Mohammad was the founder of Islam. From the perspective of the Islamic faith, he was God's messenger(Rasul Allah) called to be a warner first to the Arabs and then to all human kind. ۶۲
>
> [پیغمبر اسلام، مذہبی، سیاسی اور سماجی مصلح تھے جن کے ذریعہ دنیا کی ایک بڑی تہذیب کو جلا ملی۔ جدید اور تاریخی پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو محمد ﷺ اسلام کے بانی تھے۔ لیکن اسلامی عقیدے کے پس

منظر میں وہ خدا کے ایک پیغمبر تھے۔منذر سے ملقب تھے اور جنھوں
نے سب سے پہلے عربوں کو ان کے انجام بد سے ڈرایا اور پھر پوری
انسانی برادری کو۔]

جب کفر وشرک کے علمبرداروں کی ایذا رسانیوں کے باوجود شعاع اسلام سے دن بدن قلوب روشن ہوتے گئے اور قافلۂ تحریک کے جذبہ و جوش میں حدت پیدا ہوتی گئی تو تقلید جامد کے ان پرستاروں اور کفر وشرک کے ان سور ماؤں نے مصالحت کی پالیسی اختیار کی۔ محمد ﷺ 'لا الٰہ' نہ کہیں، ہاں محض اللہ کا نام لیں اور اس کی عبادت میں اپنے شب و روز صرف کریں۔اس سے منشاو مقصود یہ تھا کہ باطل کو باطل نہ کہا جائے اور صرف حق کا علم بلند کیا جائے۔گویا اعداء اسلام کی طرف سے یہ مطالبہ تھا کہ ان کی مذہبی پیشوائی برقرار رہے اور سیاسی قیادت بھی قائم رہے۔ان کا پرزور مطالبہ تھا کہ تم جس دین کو اختیار کیے ہوئے ہو اس میں شدت و سختی کے بجائے نرمی و رافت پیدا کر لو اور ایک ایسا قرآن لے آؤ جس میں ہمارے معبودوں کی ہتک نہ ہوتی ہو۔قرآن ان کی اس مذموم خواہش کو یوں بیان کرتا ہے۔

ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۶۷

[اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس میں ردو بدل کردو۔]

یہ تجویز یا مطالبہ روح اسلام بلکہ روح کلمہ طیبہ کے بالکل منافی تھا۔ایک خدا کی خدائی کا علم بالکل بے معنی ہے، جب تک دنیا کے تمام خودساختہ اور جھوٹے خداؤں کا انکار نہ کیا جائے، حق کا نام لیوا ہونا بالکل بے معنی ہے جب تک کہ باطل کو باطل نہ کہا جائے، اسی طرح خیر و معروف اور صدق و وفا کا نقیب بننا مجہول اور لایعنی بات ہے جب تک شر و بغاوت اور کذب و بطلان کے خلاف محاذ آرائی نہ کی جائے۔رسول اللہ ﷺ ان کی مصلحت پسندانہ پالیسی سے قطعاً متاثر نہ ہوئے اور نہ ہی ان کی خواہشات کو خاطر میں لائے، بلکہ رب العالمین کی طرف سے آپ کی زبان مبارک سے ان کو یہ دلخراش اور حوصلہ شکن جواب ملا:

قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآءِ نَفْسِيٓ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا
مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيمٍ ٦٨

[(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجیے کہ میرا یہ اختیار نہیں کہ اس (قرآن) کو بطور خود بدل دوں۔ جو کچھ مجھ پر وحی کیا جاتا ہے، اس کے سوا کسی اور چیز کی پیروی نہیں کر سکتا۔ میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو یوم عظیم (قیامت) کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو کوئی غلط بات (اپنی طرف سے گھڑ کر) اللہ تعالیٰ سے منسوب کرے۔]

معبودان باطل کی عظمت کا خیال کرنے اور آبا واجداد کے جذبات کو ملحوظ خاطر رکھنے سے متعلق نرم پالیسی اختیار کرنے کی تجویز جب پامال اور مسترد کر دی جاتی ہے تو مشرکین کی طرف سے (Give and take) کچھ دو اور کچھ لو کی پالیسی کی پیش کش ہوتی ہے۔ خدائے واحد کی بھی پرستش ہو اور معبودان باطل کی بھی، خیر و معروف کی بھی قدر و منزلت ہو اور شر و منکر کا بھی پاس و لحاظ ہو، حق کی عظمت بھی مجروح نہ ہو اور باطل کے وجود کا بھی پاس و لحاظ ہو، یہ بات بالکل لایعنی اور عبث ہے۔ دعوت حق کی شیرینی و دلاویزی اور اس کی سحر آفرینی و اثر انگیزی شرک و کفر کے شیدائیوں اور باپ دادا کے دین کے پرستاروں کے سینے پر سانپ لوٹنے کے مترادف تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر دین اسلام کی تشہیر و تبلیغ اور اس کی ترویج و اشاعت کو بطیب خاطر قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے اور آبائی دین کے تحفظ کے لیے مالوں اور جانوں کا سودا کرنے کے لیے بھی تیار تھے۔ ان کے بقول کبھی لات، عزیٰ، ہبل اور منات کے تئیں جذبہ عبودیت کا اظہار اور کبھی اللہ واحد کی بارگاہ میں عبدیت کا اظہار، یہی وہ سمجھوتہ تھا جس کو عملی جامہ پہنا کر باطل کی عظمت بھی محفوظ رہتی اور حق کی شان بھی مجروح نہ ہوتی۔ ابن ہشام نے سرداران قریش کے اس مصالحانہ پالیسی کو یوں حوالہ قرطاس کیا ہے:

"واعترض رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يطوف بالكعبة ۔ فيما بلغني ۔ الاسود بن المطلب بن اسد بن عبدالعزى والوليد بن المغيرة، وامية بن خلف، والعاص بن عائل السهمي، وكانوا ذوا انسان في قومهم، فقالوا يامحمد، هلم فلنعبد ماتعبد وتعبد مانعبد، فنشترك نحن وأنت في الأمر فان كان الذي تعبد خيراً مما نعبد كنا قد اخذنا بحظنا وان كان مانعبد خيراً مما تعبد، كنت قد اخذت بحظك منه" ۶۹

[رسول اکرم طواف کعبہ میں مصروف تھے کہ الاسود بن عبدالمطلب، ولید بن المغیرۃ، امیہ بن خلف اور العاص بن عائل السہمی، جو انہی کی قوم کے باشعور اور عمر رسیدہ افراد تھے، آپ کے سامنے آ گئے اور کہا اے محمد! اچھا آؤ ہم اس ذات کی بھی پرستش کریں جس کی پرستش تم کرتے ہو اور تم بھی ان کی پرستش کرو جن کی ہم کرتے ہیں ہم اور تم اس معاملے میں ایک دوسرے کے شریک و سہیم ہو جائیں۔ اگر وہ پرستش جو تم کرتے ہو، اگر اس سے بہتر ہو جس کی ہم کرتے ہیں تو ہم اس سے مستفید ہوں گے اور اگر وہ پرستش جو ہم کرتے ہیں، اس سے بہتر ہے۔ جو تم کرتے ہو تو تم اس سے مستفید ہو۔]

آج کسی مخصوص خطۂ ارض میں نہیں، پوری دنیا میں سیکولرزم کی آواز بلند کی جا رہی ہے اور بدقسمتی سے صرف اور صرف مسلمانوں کو اس قیمتی جوہر سے مرصع ہونے کی بات کی جاتی ہے۔ اس امر میں صداقت ہے کہ اگر سیکولرزم کا مطلب رواداری، تحمل، بردباری، انسانیت نوازی اور بشر دوستی ہے تو اسلام سے بڑا سیکولر کوئی نہیں ہوسکتا، جو یہ اعلامیہ جاری کرتا ہے:

لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۷۰

[دین کے معاملے میں زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط سے واضح ہوگئی ہے۔]

انسانی خون کا احترام اور انسانیت نوازی کا جو سبق اسلام کے مستند ترین منشور قرآن مجید سے ملتا ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب اس کے عشر عشیر کو نہیں پہنچ سکتا۔ فرمایا جاتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا [۱]

[جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک کی جان بچائی، اس نے گویا تمام انسانوں کی زندگی بخش دی۔]

حلم و بردباری اور عفو و درگزر کی تعلیم کے ملاحظہ کے لیے قرآن مجید کی درخشاں تعلیمات کا کوئی مثیل و معاند نظر نہیں آتا۔ عام حالات میں انتقام لینے کو قرآن مجید کی تعلیمات بلاشبہ ترجیح نہیں دیتیں، ہاں اجازت دیتی ہیں، تاہم معاف کرنے کا عمل تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار پاتا ہے۔[۲]

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی عظمت کا حامل ہے کہ اگر اسلامی حکومت میں کوئی غیر مسلم مظالم کا نشانہ بنتا ہے تو قیامت کے روز میں اس کی طرف سے وکیل بن کر کھڑا ہو جاؤں گا۔[۳]

قرآن و سنت کی ان روشن تعلیمات سے اگر چشم پوشی نہ کی جائے اور تعصب و جانب داری کا لبادہ اتار پھینک کر اسلام کی ان واضح تعلیمات کا جائزہ لیا جائے جو امن و آشتی سے پُر اور صالح معاشرے کی کامیابی کی ضمانت ہیں، تو ہر شخص اس اعتراف حقیقت کے لیے مجبور ہوگا کہ اسلام کو ادیان و مذاہب میں سیکولرزم کے سب سے بڑے نمائندہ و نقیب کی حیثیت دی جائے، جہاں انسان کی قدر صرف انسان کی حیثیت سے ہوتی ہے، چاہے وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو اور کسی بھی خطۂ ارض کا باشندہ ہو۔

ہاں سیکولرزم کا مقصود اگر یہ ہو کہ اصولوں سے سمجھوتہ کر لیا جائے، یا آدھا اسلام کو اور آدھا کسی اور دین کو مانا جائے، مسجد میں خدائے واحد کے آگے جھکنے والا مندر میں بھی جائے اور مورتیوں کے سامنے سر نیاز خم کر دے یا پورے اسلام کے بجائے آدھے اسلام کو مانا جائے یا مخاطب اور مدعو کی ترغیبات وخواہشات کا حل اس میں نکال لیا جائے اور اتنا لچکدار بنا دیا جائے کہ تمام افکار ونظریات کو ہضم کر لے اور یہ وقتی طور پر ہی سہی اپنے مذہب کا جز لاینفک قرار دے لے، اسلام قطعاً اس سیکولرزم کا قائل نہیں ہے۔

آج عالمگیر طور پر یہ کوشش ہو رہی ہے کہ اسلام کے ماننے والے متوازن اور ایسے لچکدار اسلام کو قبول کر لیں جو ہر نظریہ ومذہب کا خوشہ چیں ہو یا یہ کہ دوسرے تمام مذاہب کے مساوی محض ایک مسلک حیات اور نظریہ ہو جس کی تبلیغ واشاعت سے دوسرے افکار ومذاہب کا بودا پن واضح نہ ہوتا ہو۔ حالاں کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ کے دین کو بے کم وکاست پیش کیا جائے اور کسی سمجھوتہ یا مصالحت سے اس کے دین کی کوئی تعلیم نظر انداز نہ کی جائے۔ رسول اکرم ﷺ سے محبت وعشق کا عملی ثبوت یہ ہے کہ دعوت دین کے سلسلے میں آپ کے مسلک کی پیروی کی جائے اور مصالحت کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس کی بنا پر دعوت کی عظمت مجروح ہو اور داعی کی شخصیت نشانۂ تنقید بنے۔ ہاں حکمت عملی منفرد چیز ہے جس کی بنیاد پر ممکن ہے کہ داعی کو بعض مراحل میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑے اور ذاتی مفادات مجروح ہو جائیں، لیکن اس متاع بے بہا کی بدولت ہی داعی اخلاقی لحاظ سے لوگوں کے دلوں کو مسحور کر لیتا ہے اور دعوت خوشنما شکل میں مدعو کے گوش گزار کی جاتی ہے جس کے خوش آئند اثرات بھی مترتب ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ اسوہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ آپ ﷺ نے زعمائے قریش کے اس مطالبے کو یکسر مسترد کر دیا جس میں ان کے معبودوں کی کم مائیگی وبے بضاعتی سامنے نہ آتی ہو اور باطل افکار ونظریات پر مبنی نظام تمدن ہدف ملامت نہ بنتا ہو۔ نماز پڑھی جائے، روزے رکھے جائیں اور دوسرے معروف فرائض واجبات ادا کیے جائیں، ہاں باطل کو باطل کہنے کی اور حرام کو حرام کہنے کی ضرورت نہیں ہے، ظالم کو ظالم نہ کہا

جائے اور باغی، باغی نہ قرار دیا جائے اس لیے کہ اس اظہار سے مخاطب کو تکلیف پہنچ سکتی ہے اور ماحول میں انتشار پیدا ہوسکتا ہے نیز ہنگامہ وفساد بھی سر اٹھا سکتے ہیں، اس لیے عافیت کوشی کا معاملہ اختیار کیا جائے اور بس فرائض وواجبات ادا کیے جاتے رہیں، امت میں خاصی تعداد ایسے افراد کی ہے جو نرمی ومصالحت کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے ان امور کو اپنی نجات کے لیے کافی وشافی سمجھتے ہیں۔ افراد امت میں ہی خاصی تعداد ایسے افراد کی بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم مالا یطاق کے متحمل نہیں ہیں اس لیے ہمیں باطل کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے افراد بنیادی طور پر اس غلط فہمی کے شکار ہوتے ہیں کہ دین، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور بعض دیگر معروفات کی انجام دہی سے عبارت ہے۔ شر وفساد کے خلاف محاذ آرائی، ظلم اور ظالم کے خلاف آواز بلند کرنا، خود ساختہ اور جھوٹے خداؤں کا انکار کرنا، یہ ایک مومن کے دائرہ کار سے باہر کی چیزیں ہیں اور ان میں اپنے آپ کو الجھانا مصیبتوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

یقیناً اس صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر جھوٹے خداؤں کا انکار نہیں کیا جائے، منکر کو منکر نہ کہا جائے، ظالم کو ظالم نہ کہا جائے یا فتنہ پرور کو فتنہ پرور نہ کہا جائے تو یقیناً مخالفتوں کو دعوت نہیں دی جائے گی اور بغیر کسی پریشانی کے چند معروفات کی انجام دہی پر ہی نازاں اور فاخر ہوتے ہوئے بظاہر آرام وراحت والی زندگی گزرے گی۔ لیکن غور فرمایئے کہ معبودان باطل کے انکار کے بغیر خدا کے ایک ہونے کا ہمارا دعویٰ کس حد تک صحیح ہوگا، نماز کے خلاف ماحول پر اضطراب وبے چینی کا مظاہرہ اور ایسے ماحول سے نبرد آزمائی کے بغیر ہماری اپنی نماز کس حد تک پُراثر اور بارگاہ رب العزت میں قبولیت کا شرف پانے والی ہوگی، ظالم کو جب تک کیفر وکردار تک نہ پہنچایا جائے عدل وانصاف کے ہمارے بول کتنے معنی آفریں اثر انگیز ہوں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ خاتم المرسلین ﷺ جب غار حرا میں اپنے معروف ومروج طریقہ عبادت میں مصروف تھے اور 'اَللّٰہُ اَللّٰہُ' کی آواز بلند کررہے تھے تو کوئی اتھل پتھل نہیں ہوئی، پریشانیاں اور مصیبتیں بھی دامن گیر نہیں ہوئیں، اعتراضات واختلافات کی خلیجیں

حائل نہیں ہوئیں، بلکہ دشمنان دین کے کان تک کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ آباپرستی اور جھوٹے خداؤں کی دلداری میں وہ مست تھے اور محمد عربی ﷺ اس وقت تک متفقہ طور پران کے لیے صادق اور امین تھے۔ لیکن جب 'فاصدع بما تؤمر'۵ کے حکم الہٰی کو عملی جامہ پہناتے ہوئے آپ ﷺ صفا کی بلندی پر آئے اور "قولوا لااله الا الله کا مطالبہ کیا تو ابولہب بھی پیدا ہوگیا، ابوجہل بھی سامنے آیا، ولید بن المغیرۃ اور عقبہ بن ابی معیط بھی منظر عام پر آئے، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف بھی محاذ آرا ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ خانۂ خدا کے اندر آپ ﷺ کے ساتھ سفاکانہ سلوک کیا گیا، قتل کے منصوبے بنائے گئے، شعب ابی طالب میں آپ ﷺ تین سال تک قیدی بنا کر رکھے گئے، جہاں خشک پتیاں اور سوکھے چمڑے آپ ﷺ کی خوراک تھے اور اسی راہ میں طائف کا دلدوز سانحہ بھی پیش آیا، جہاں کے برسر اقتدار حکمرانوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب نے شہر کے لونڈوں اور اوباشوں کو للکارا اور شہر بدر کرنے کے لیے آپ کے پیچھے لگا دیا۔ انھوں نے پتھروں کی اس قدر بارش کی کہ کثرت خون نکلنے کی وجہ سے نعلین مبارک پاؤں سے چپک گئے۔۶

دین سے تمسک اور دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں یہ اسوہ حسنہ پوری امت مسلمہ کو دعوت ملاحظہ دیتا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے، اپنے موقف پر استقلال کا عملی ثبوت دیا جائے اور سودابازی کا کوئی عمل قابل اعتناء نہ سمجھا جائے اور قولی اور عملی طور پر وہی جواب دیا جائے جو جواب رہ ُسا کفر و شرک کو رسالت مآب ﷺ کی زبان مبارک سے وحی الہٰی۸ کی شکل میں دیا گیا تھا۔ جبھی ایمان باللہ اور ایمان بالرسول معتبر ہوگا اور جبھی دین کے سچے اور مخلص داعی بن کر بنی نوع انساں کو ضلالت و گمراہی کی پگڈنڈیوں سے پھیر کر رشد و ہدایت کی شاہراہ مستقیم دیکھائی جاسکتی ہے اور بایں طور امت کی داعیانہ جدوجہد پوری انسانی برادری کے لیے مژدہ جانفزا بن سکتی ہے۔

داعی اعظم ﷺ کی تبلیغی مساعی میں طائف کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، امت مسلمہ جو داعی امت ہے اس کے لیے طائف کے دعوتی سفر میں بھی انمول سبق موجود ہے۔ امت دعوت اس دعوتی سفر سے بے اعتنائی نہیں برت سکتی کیوں کہ اس سفر طائف کے بعد

ہی دعوت اسلامی ایک نئے مرحلے میں داخل ہوتی ہے اور انسانوں کے علاوہ جن بھی نبی عربی ﷺ کی دعوت کے حلقہ بگوش ہوتے ہیں۔ عملی جدوجہد اور تجربات ومشاہدات کے بعد رسول اللہ پر اہل مکہ کی ناقدری پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے اور اپنے محبوب خادم حضرت زیدؓ بن حارثہ کی معیت میں طائف کا رخ اس امید پر کرتے ہیں کہ وہاں شمع اسلام کو فروزاں ہونے کا موقع ملے گا اور لوگ اللہ کے دین کی قدر کر کے اپنی عاقبت سنواریں گے۔ اس دعوتی مہم میں حکمت وفراست کے ساتھ پہلے یہاں کے بنوثقیف کے تین بھائیوں کو اپنی دعوت کا مخاطب بنایا جاتا ہے جن کے ہاتھوں میں زمام اقتدار تھا، لیکن تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ یہ تینوں اصحاب اقتدار انسانوں کی ہدایت کے حریص اور عظیم ترین مسیحائے وقت کو خاطر میں نہ لائے اور مختلف لب ولہجے میں دل آزاری کی۔ تینوں کی طرف سے جو دلخراش تبصرے ہوتے ہیں، وہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

> پہلا بھائی: اگر واقعی خدا ہی نے تم کو بھیجا ہے تو بس پھر وہ کعبہ کا غلاف نچوانا چاہتا ہے۔
>
> دوسرا بھائی: ارے کیا خدا کو تمہارے علاوہ رسالت کے لیے اور کوئی مناسب آدمی نہ مل سکا۔
>
> تیسرا بھائی: خدا کی قسم! میں تجھ سے بات بھی نہ کروں گا، کیوں کہ اگر تو اپنے کہنے کے مطابق واقعی اللہ کا رسول ہے تو پھر تجھ ایسے آدمی کو جواب دینا سخت خلاف ادب ہے اور اگر تم نے خدا پر افترا باندھا ہے تو اس قابل نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے۔ [۲۷]

سرداران طائف کے یہ کلمات تیر ونشتر سے کم نہیں تھے۔ دنیا کے عظیم ترین محسن ﷺ کے ساتھ طائف کے رؤوساء کا انتہائی حقارت آمیز اور حوصلہ شکن رویہ حد سے متجاوز ہو جاتا ہے جب وہ طائف کے گھٹیا اور بازاری لونڈوں اور غلاموں کو ورغلاتے ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس شخص کو شہر بدر کر دو۔ کسی بستی یا شہر کے بچوں کو جب بڑوں اور بزرگوں

کی شہہ مل جائے تو وہ بڑوں کی خوشنودی کی چاہت میں دنی و شنیع حرکت کا ارتکاب کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ناسمجھ اور اوباش نوجوانوں نے گالیاں دیتے، شور مچاتے اور پتھر برساتے ہوئے بنی نوع انساں کے اس محسن اعظم کو اتنا نڈھال اور بدحال کر دیا کہ جوتیاں بھی خون سے لتھڑ گئیں۔ یہاں تک کہ اس انسانیت کش منظر کو دیکھتے ہوئے حضرت جبرئیل تشریف لے آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے محمد! پہاڑوں کا انچارج فرشتہ حاضر خدمت ہے۔ اشارہ ہو تو مکہ اور طائف کے مابین واقع پہاڑوں کو ٹکرا دیا جائے کہ یہ باطل کے پجاری اور انسانیت کے دشمن پس کر رہ جائیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں نہیں ایسا نہ کیا جائے میں 'رحمۃ للعالمین' بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اگر یہ لوگ نادانی میں ایمان نہیں لاتے تو ممکن ہے ان کی آنے والی نسلیں کلمۂ حق کے گرد جمع ہوں گی۔

انسانیت کے عظیم ترین نجات دہندہ امام الانبیاء ﷺ کے ساتھ طائف میں دل ہلا دینے والی جس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا، اس کی سنگینی و شدت کا اندازہ اس بیان نبوی ﷺ سے ہوتا ہے جو اپنی شریکہ حیات کے ایک استفسار پر فرمایا تھا:

> ''تیری قوم کی طرف سے جو مصائب و شدائد مجھے پہنچے سو پہنچے، مگر میری زندگی کا سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جب میں نے عبد یا لیل کے بیٹے کے سامنے دعوت حق پیش کی اور اس نے رد کر دیا اور اس کا مجھے اس قدر صدمہ ہوا کہ طبیعت بگڑ گئی اور قرن الثعالب کے مقام پر جا کر بمشکل بحال ہوئی''۔ ۸ے

دعوت و تبلیغ کے مرحلے میں ایمان والوں کو طائف کا سفر ہمیشہ مستحضر رکھنا چاہیے۔ دعوت بہت قیمتی چیز ہے اور وقت ایک امانت ہے۔ مدتوں دعوت پیش کرنے کے نتیجے میں اگر دعوت صدا بصحرا ثابت ہو رہی ہو اور اخذ و استفادہ کے لحاظ سے کوئی جگہ بنجر ثابت ہو چکی ہو تو داعی کو لگے بندھے اور رسمی انداز اختیار کرنے کے بجائے امیدوں کے سہارے متلاشئ حق اور جویائے ہدایت تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس میں صداقت ہے کہ داعئ حق اگر اخلاص کے زیور سے آراستہ ہے اور مدعو کے غیر ذمہ دارانہ

اور باغیانہ زندگی کے سنگین نتائج کے پیش نظر اس کے اندر اضطراب و بے چینی ہے تو مرکز توجہ وہ جگہ نہیں بنتی جہاں سہولتیں اور آسائشیں ہوں، ہاں وہ جگہ اس کا ہدف ومقصود بنتی ہے جہاں کے لوگ دعوت حق کی لذت وشیرینی سے واقف نہ ہوں اور قبول حق کے سلسلے میں شعاع امید وہاں کے لیے مہمیز کررہی ہو۔

دوسری طرف طائف کے اس پُر خطر سفر اور یہاں کے لوگوں کے ظالمانہ سلوک و برتاؤ کے باوجود انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کا صبر وتحمل اور انسانیت نوازی کا مظاہرہ خدا کے باغیوں اور دشمنوں کے ساتھ سلوک و برتاؤ کے تئیں امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کے لیے نقوش راہ فراہم کرتا ہے کہ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ بھی کس فراخ دلی کا ثبوت دینا چاہیے۔

خلاصۂ مبحث:

سرور کونین امام الانبیاء محمد عربی ﷺ انبیائی بعثت مبارکہ کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی ہیں جو بلا فرق وامتیاز رنگ ونسل تمام خطہ ہائے عالم کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہیں۔ اللہ کا دین اسلام انسانیت نوازی اور بشر دوستی کے بے مثل اوصاف و خصائص کی بنا پر عالمگیر ہے تو قرآن مجید کی شکل میں اس عالمگیر دین کا منشور بھی عالمگیر ہے۔ اسی طرح قرآن مجید جس ذات گرامی پر نازل ہوا، وہ ذات بھی آفاقی وعالمگیر ہے، جس نے ضلالت وگمراہی کے قعر عمیق سے نکال کر انسانیت کو رشد وہدایت کی وہ شاہراہ دکھائی جو بجا طور پر فانی دنیا میں انعام واکرام کی ضمانت بنتی ہے اور آخرت کی ابدی اور سرمدی کامیابی کے لیے توشۂ راہ فراہم کرنے کی موجب بنتی ہے۔

یوں تو رسول اللہ ﷺ کے ترسٹھ سالہ روزناموں کا ورق ورق روشن ہے اور دعوت و تبلیغ کے باب میں مختلف جہتوں سے نقوش راہ فراہم کرتا ہے، تاہم اس موضوع کے تحت آپ ﷺ کی حیات طیبہ کی اس دعوتی مہم کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے جو مکہ میں جاری تھی۔ یہ مکی اور مدنی زندگی دراصل تصویر کے دو روشن باب ہیں۔ ان میں سے کسی کو کسی سے الگ کر کے ملاحظہ کیے جانے پر حیات مبارکہ کے درخشاں اور انقلابی پہلوؤں

کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔ جن اخلاق واقدار سے رسول اللہ کی شخصیت مکی زندگی میں مزین تھی، وہی اخلاق واقدار مدنی زندگی کے شب وروز میں درخشاں ہیں۔ ہاں مدنی زندگی میں آپ ﷺ کی سیرت صالحہ تکمیلی مرحلے سے گزرتی ہے یا ایک معروف عالم دین اور سیرت نگار کے مطابق مدینے میں ارتقائی جہات کا اضافہ ہوتا ہے۔ اغیار واجانب کا یہ خیال کہ مکے میں رسول اکرم ﷺ ایک داعی ومبلغ کا کردار ادا کرتے ہیں اور مدینے میں ایک حکمراں اور سیاست داں کی حیثیت سے منصۂ شہود پر آتے ہیں، جانب داری و جارحیت اور ظلم وناانصافی کا عکاس ہے۔ عقائد ومسلمات کے سلسلے میں کفار ومشرکین کے مذبذب ہونے اور مدینہ کی بستی میں اسلامی ریاست کی تشکیل کے منصوبہ کو جامۂ عمل پہنانے کا تقاضا تھا کہ ایک طرف وحی الٰہی کے مطابق مدعو معاشرہ کے عقائد درست ہوں، تاکہ بارگاہِ رب العزت میں ان کے اعمال قابل قبول ہوں اور دوسری طرف تحریک اسلامی کے علمبرداروں کی اصلاح وتربیت ہو، تاکہ انقلاب کے علمبردار اعتراضات و اختلافات کی تیز وتند آندھیوں میں ثابت قدم رہیں اور مخالفتوں اور مخاصمتوں کی ہر وادی کو سر کرسکیں۔

مکی زندگی میں دعوت کا پہلا مرحلہ آغاز بعثت تا تین نبوی ہے، جس میں دعوت مخفی طریقے سے مخصوص لوگوں کو گوش گزار کی جاتی ہے اور اہل مکہ اس سے ناواقف ہوتے ہیں، جب کہ دوسرا مرحلہ تین نبوی سے پانچ نبوی تک ہے جس میں کفار ومشرکین کی طرف سے مخالفت ومزاحمت، سب وشتم اور تضحیک واستہزاء کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔ تیسرا مرحلہ پانچ نبوی تا دس نبوی ہے جس میں مخالفت اپنے جوبن پر ہوتی ہے، اہل ایمان ظلم وستم کی چکیوں میں پسے جاتے ہیں اور مصائب وشدائد اتنی سنگین صورت حال اختیار کرلیتے ہیں کہ اپنی جان وایمان بچانے کے لیے اہل ایمان حبشہ کو جائے پناہ بناتے ہیں۔ یہی وہ دور ہے جس میں اہل ایمان کا مقاطعہ کیا گیا اور ایذ ارسانی کے لیے ان کو شعب ابی طالب میں بھی محصور کیا گیا۔ چوتھا اور آخری مرحلہ دس نبوی سے شروع ہوکر تیرہ نبوی پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں مصیبتوں کی انتہا ہوگئی، گرم گرم ریتوں پر لٹایا گیا، سینے پر

پتھر رکھے گئے، ظلم وستم شباب پر ہوتا ہے اور مکے میں رہنا دوبھر ہو جاتا ہے، طائف کی زمین بھی زمین شور ثابت ہوتی ہے اور یہاں بھی پناہ نہیں ملتی، مذموم سازشیں کی جاتی ہیں اور تحریک اسلامی کے قائد اور انسانیت کے سب سے بڑے محسن ﷺ کے قتل کے منصوبے بھی بنائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ مکہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی الوداع کہا جاتا ہے۔

حرص وطمع اور مفاد پرستی کو بالائے طاق رکھ کر اخلاص وللّٰہیت کے جوہر سے مرصع ہونا، تہدید وتخویف سے استغناء اور شان بے نیازی برتتے ہوئے راہ استقامت کو شیوہ وشعار بنانا، مصالحت بے جا سے احتراز وتجنب اختیار کرتے ہوئے من وعن دین سے تمسک اور اعداء اسلام کی مخالفتوں، گستاخیوں اور ایذاء رسانیوں کا جواب وسعت ظرفی اور کشادہ قلبی سے دینا، یہ وہ اوصاف حمیدہ ہیں جن سے داعی امت کے ہر ہر فرد کی زندگیاں متصف ومزین ہونی چاہئیں۔

نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے مکی عہد میں کفار ومشرکین بالخصوص زعمائے قریش نے دولت دنیا کی لالچ دی، اقتدار کا جھانسہ دیا اور رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے لیے حسیناؤں کی پیش کش کی، لیکن تاریخ شاہد ہے اور سیرت نگار انگشت بدنداں ہو جاتا ہے، جب رسول عربی ﷺ کے ذاتی مفادات سے بے تعلقی، دنیا سے شان استغنا و بے نیازی اور اخلاص وللّٰہیت کے بے مثل مظاہر وشواہد کو قلم بند کرتا ہے۔ چوں کہ امت مسلمہ کا ہر ہر فرد داعی ہے اور وہ اپنی حیثیت وبساط کے مطابق دعوت کے کام کا مکلّف ہے، اگر محمد عربی ﷺ سے عشق ہے تو اس کا عملی ثبوت یہ ہوگا کہ دعوت کے عظیم الشان مشن میں اخلاص کو مرکز توجہ بنایا جائے۔

دعوت حق سے مجتنب وگریزاں رکھنے کے لیے اور تحریک اسلامی کا زور کم کرنے کے لیے آپ ﷺ کو اور آپ کے محسن وسرپرست چچا ابوطالب کو خون خرابہ کرنے کی دھمکیاں تک دی گئیں لیکن آپ صبر وعزیمت کے پہاڑ بنے رہے اور آپ نے یہ اعلان کیا کہ مخالفین اپنی ایذا رسانی میں جس حد تک چاہیں گزر جائیں، دعوت کا کام جاری رہے گا، تاآنکہ یہ دین غالب ہو جائے یا میری جان جان آفریں کے حوالے ہو جائے۔

حق و باطل کی معرکہ آرائی میں ڈرانے دھمکانے اور خوف و دہشت میں مبتلا کرنے کا سلسلہ صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ جتنے بھی ہادیان دین تشریف لائے سب کے ساتھ کم و بیش یہی ہوا۔ کفار و مشرکین محمد عربی ﷺ کے ساتھ اس سلسلے میں حد سے متجاوز ہو گئے لیکن آپ ﷺ نے دعوت کے کارِ عظیم میں کسی خوف اور کسی دھمکی کی پرواہ نہیں کی بلکہ عزیمت و استقلال کے پہاڑ بن کر زندگی کی آخری سانس تک پورے جوش و خروش کے ساتھ اس کی قندیل کو روشن کرنے کا عزم کیا اور اس پر ثابت قدم رہے۔ آج بھی پوری دنیا میں امت مسلمہ کے خلاف محاذ آرائی ہو رہی ہے۔ خوف و ہراس کے ذریعہ ان کو ان کے موقف سے پھیرنے کی مذموم کوششیں جاری ہیں، تاہم امت کا ہر فرد دین حنیف کا علمبردار ہے اور دعوت کا فریضہ اس کی شناخت ہے، ایسے صبر آزما حالات میں ضرورت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اس اسوہ دعوت کو اپنایا جائے تاکہ امت کی شناخت باقی رہے اور باطل کے علمبردار اپنے ناپاک ارادوں میں ناکام و نامراد ہو جائیں۔

حق و باطل کی کشمکش میں صدیوں سے کچھ دو اور کچھ لو کی پالیسی کا دخل موضوع بحث رہا ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ جب حرص و طمع اور تہدید و تخویف کے دام میں نہ آسکے تو زعمائے کفر و شرک نے سمجھوتے کی پالیسی اختیار کی۔ مقصد یہ تھا کہ دعوت کے کام میں کچھ نرمی آجائے۔ لات، عزیٰ مناۃ، ہبل اور دوسرے تمام خداؤں کے تئیں وہ روادارانہ رویہ اختیار کریں اور اپنے خدا کو بھی نہ چھوڑیں، دونوں ہی فریق ایک دوسرے کے معبودوں کی حرمت و تقدس کا خیال کریں۔ بظاہر یہ قابل قبول اور آسان شکل تھی۔ اس مصالحت کو جامہ عمل پہنا کر آسانیاں اور سہولتیں میسر آسکتی تھیں۔ لیکن رسالت مآب ﷺ اگر اس مصالحانہ پالیسی کو اپنا لیتے تو ظاہر ہے اللہ کا دین یہود و نصاریٰ اور دنیا کے دیگر کفار و مشرکین کے تراشیدہ دین کا قالب اختیار کر لیتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے صاف صاف فرما دیا کہ میں اپنے مالک کا امین اور اس کا پیغامبر ہوں۔ میں اس کا مجاز قطعاً نہیں ہوں کہ اس کی کتاب میں کوئی تبدیلی کروں یا دعوت پہنچانے کے سلسلے میں بے جا رواداری اور سمجھوتہ کا مظاہرہ کروں۔ ایمان کی راہ یقیناً پر خار ہے اور دعوت کا کام بلاشبہ بہت مشکل ہے، لیکن اس سے

زیادہ متبرک عمل کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ مصیبتیں اس راہ کا توشہ ہیں، ان سے گریز کر کے منزل مقصود کی یافت ممکن نہیں ہے۔ اس باب میں بھی امت مسلمہ کے سچے نقیب ونمائندہ اور محمد عربی ﷺ کے مخلص پیرواور اس کے مشن کے فدائی ہونے کی حیثیت سے دعوت کے اس اسوۂ نبی کو اختیار کرنا ہوگا جس میں مصالحت بے جا کو دعوت کی روح کے لیے سم قاتل سمجھا جاتا ہے۔

مصائب وشدائد جب طوفان بلاخیز کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو مکہ کی زمین دعوت حق کے لیے بنجر ثابت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے طائف کا رخ کیا۔ طائف کے سرداروں نے آپ کے ساتھ گستاخانہ اور ظالمانہ سلوک کیا۔ ان کے اشارے پر وہاں کے اوباشوں اور بگڑے ہوئے نوجوانوں نے جس روح فرسا صورت حال سے آپ ﷺ کو دوچار کیا، وہ انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ ہے، لیکن آپ رحمان کے بندے اور اس کے اہم ترین نمائندے تھے اور رحمۃ للعالمین سے ملقب تھے۔ آپ نے حضرت جبرئیلؑ کی جلو میں ہونے اور ان کی پیش کش کے باوجود بھی ان کے لیے بددعا نہیں کی، بلکہ عفو و درگزر کے مجسم نے ان کی بدتمیزیوں اور بے حیائیوں پر خط عفو پھیر دیا اور آنے والی نسلوں سے توقعات وابستہ کرتے ہوئے ان کے لیے بارگاہِ رب العزت میں دست بدعا ہوئے۔ بلاشبہ ہم رحمان کے بندے اور رحمۃ للعالمین کی امت میں ہیں۔ عفو و درگزر سے متعلق قرآن مجید کی درخشاں تعلیمات ہمارے سامنے ہیں۔ بدی اور برائی کو نیکی اور خیر سے بدلنے کی کوشش کرنا، ظلم وجارحیت کے جواب میں امن وعدل اور محبت وانسانیت کے بے مثل مظاہرہ کا اسوہ نبوی ﷺ ہمارے سامنے ہے۔ اگر ہم اس طریقہ محمدی ﷺ کو اپنی زندگی کی زینت بنالیں تو اس امتحان گاہ کی زندگی بھی آسان ہوجائے اور ابدی نتیجہ گاہ کی کامیابی کا نوشتۂ تقدیر بھی تیار ہوجائے۔

حب جاہ کی طلب، دولت وثروت کی خواہش، عیش وعشرت کی تمنا اور حکومت و اقتدار کی حرص کسی بھی تحریک وتنظیم اور کسی بھی نظریہ ومشن کے علمبرداروں کے لیے انتہائی تشویش ناک اور مہلک ہے، اسی طرح خوف وہراس اور مرعوبیت ودہشت موقف پر

استقامت کے باب میں زبردست مانع ومزاحم ہیں، بے جارواداری اور سمجھوتے کی پالیسی کسی نظریہ ومسلک کے تقدس کی پامالی کا سبب بنتی ہے، جب کہ اذہان وقلوب پر فتح وتسخیر کی کمندیں ڈالنے کے لیے مخاطب یا مدعو کی گستاخانہ حرکتوں اور ان کی تقصیرات سے چشم پوشی ایک بہترین لائحہ عمل (Strategy) ہے۔ مکی زندگی میں مشن سے بے لوث محبت کی بدرجہ اتم یہ درخشاں مثالیں قیامت تک امت دعوت کے لیے سرمایہ سیم وزر ہیں جن کی خوشہ چینی ہی عشق رسول کی سند ہے۔ یہ زریں اسباق اسلامیان عالم کے ہر فرد اور تحریک اسلامی کے ہر کارکن کے لیے نقوش راہ ہیں جن کے ذریعہ فریضہ دعوت کی انجام دہی معنی خیز اور اثر آفریں ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں اس جہان آب وگل میں بھی رب ذوالجلال کی رحمت سایہ فگن ہوتی ہے اور آخرت کی ابدی زندگی بھی سعادت عظمٰی کے حصول سے شرفیاب ہوتی ہے۔

☆☆☆

حوالے وحواشی:

۱	الفاتحہ:۲	۲	الانبیاء:۱۰۷
۳	التوبۃ:۱۲۸	۴	القلم:۴
۵	النجم:۳	٦	النساء:۸۰
۷	آل عمران:۳۱	۸	الاحزاب:۲۱

۹ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۹، ص۱۲، طبع اول ۱۹۸٦ء، دانش گاہ پنجاب، لاہور

۱۰ علامہ شبلی نعمانی: سیرت النبی، ج ۱، ص ۱۰۹، ۱۴۰۸ھ، مکتبہ قدسیہ، اردو بازار، لاہور

۱۱ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۴۰، طبع اول ۱۹۸۰ء، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی

۱۲ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: محمد رسول اللہؐ (نذیر حق: مترجم)، ص ۷، طبع اول، ستمبر ۲۰۰۲ء، فرید بک ڈپو، نئی دہلی

۱۳ ابوعبداللہ بن سعد: الطبقات الکبری، الجزء الاول، ص ۱۰۴، ۱۹٦۰ء، بیروت، ابوالفداء اسماعیل بن کثیر: السیرۃ النبوۃ، الجزء الاول، ص ۲۰٦، ۱۹۷۱ء، دارالمعرفۃ، بیروت

۱۴ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۹، ص ۱۴، طبع اول، ۱۹۸٦ء، دانش گاہ پنجاب، لاہور

۱۵ عبدالملک بن ہشام: السیرۃ النبوۃ، الجزء الاول، ص ۱۸٦، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۵۵، مصر، المسعودی: مروج الذہب، الجزء الثانی، ص ۲۷۴

۱٦ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۹، ص ۲۴

۱۷ ابن سعد: الطبقات الکبری، الجزء الاول، ص ۱۲۸

۱۸	الاعراف:۱۵۷	۱۹	الاحزاب:۴۰

۲۰۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی، مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، ص ۱۱، (حرف آغاز)، طبع ۲۰۰۸ء، نشریات، لاہور

۲۱۔ مولانا سید محمد میاں صاحب: محمد رسول اللہ، قرآن اور تاریخ کے آئینے میں، ص ۶۴، طبع اول ۱۹۷۳ء، کتابستان، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی

۲۲۔ الاحزاب: ۴۵

۲۳۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۱۰۸، طبع ۲۰۰۴ء، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی

۲۴۔ المائدہ: ۶۷

۲۵۔ الصّف: ۹

۲۶۔ الصّف: ۸

۲۷۔ علامہ شبلی نعمانی: سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۱۲۸،

۲۸۔ نعیم صدیقی: محسن انسانیت، ص ۲۰، ۱۹۶۰ء، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی

۲۹۔ نعیم صدیقی: محسن انسانیت، ص ۱۴۵

۳۰۔ الحجر: ۹۴

۳۱۔ محمد بن اسماعیل البخاری: الجامع الصحیح، الجزء الثانی، کتاب التفسیر ص ۷۰۲، علامہ شبلی نعمانی: سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۱۳۰

۳۲۔ البخاری: الجامع الصحیح، الجزء الثانی، کتاب التفسیر ص ۷۰۲، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی

۳۳۔ نعیم صدیقی: محسن انسانیت، ص ۱۴۸

۳۴۔ نعیم صدیقی: محسن انسانیت، ص ۱۴۹

۳۵۔ الانبیاء: ۹۸

۳۶۔ ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ، الجزء الثالث، ص ۵۷، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۳۲ء، دار الفکر العربی

۳۷۔ علامہ شبلی: سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۱۳۴

۳۸۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، الجزء الاول، ص ۳۸۹۔۳۹۰

۳۹۔ اللھب:۱۔۵

۴۰۔ ملاحظہ فرمائیں بخاری میں عروہ بن زبیر کی روایت بحوالہ مولانا سید ابوالاعلیٰؒ مودودی: (مرتبین: نعیم صدیقی، عبدالوکیل علوی)، سیرت سرورعالم، ج۱،ص۲۰۳،طبع دوم،۱۹۸۱ء،مرکزی مکتبہ اسلامی،دہلی

۴۱۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، الجزء الاول،تفصیلات ملاحظہ فرمائیں،ص ۳۳۵ تا ۳۳۷

۴۲۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین، ج۱،ص۵۹

۴۳۔ حم السجدۃ:۱۔۵

۴۴۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، ج۱،ص۱۱۰

۴۵۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، ج۱،ص۲۹۴

۴۶۔ البقرہ:۲۰۱ ۴۷۔ الانفال:۲۸،التغابن:۱۵

۴۸۔ آل عمران:۱۸۵،الحدید:۲۰ ۴۹۔ آل عمران:۱۳۳

۵۰۔ الحدید:۲۱ ۵۱۔ الحشر:۱۸

۵۲۔ احمد بن حنبل: المسند، الجزء الرابع،ص۱۲۴

۵۳۔ آل عمران:۱۱۰ ۵۴۔ البقرہ:۱۴۳

۵۵۔ البقرہ:۱۴۳ ۵۶۔ المائدہ:۳

۵۷۔ البقرہ:۲۰۸

۵۸۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری: الرحیق المختوم،ص۱۷۱،المجلس العلمی،علی گڑھ

۵۹۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، الجزء الاول،ص۲۶۵

۶۰۔ نعیم صدیقی: محسن انسانیت،ص۱۶۸

۶۱۔ نعیم صدیقی: محسن انسانیت،ص۱۶۸ بحوالہ ابن ہشام، الجزء الاول،ص۲۷۸

۶۲۔ البقرہ:۱۵۵۔۱۵۷ ۶۳۔ البقرہ:۲۱۴

۶۴۔ ابن حنبل: المسند، ج۳،ص۲۸۶

۶۵ حم السجدۃ:۳۰۔۳۱

۶۶ John L. Esposito:(Editro In Chief) The Oxford Encyclopeadia of the Islamic World, p.102, 2009, Oxford University, Press,

۶۷ یونس:۱۵ ۶۸ یونس:۱۵

۶۹ ابن ہشام:السیرۃ النبویۃ،الجزءالاول،ص۳۶۲

۷۰ البقرہ:۲۵۶ ۷۱ المائدہ:۳۲

۷۲ البقرہ:۲۳۷،الاعراف:۱۹۹،النور:۲۲،التغابن:۱۴

۷۳

۷۴ البقرہ:۲۶۹ ۷۵ الحجر:۹۴

۷۶ اردودائرہ معارف اسلامیہ،ج۱۹،ص۳۸۰

۷۷ ابن کثیر : البدایۃ والنہایۃ ، الجزء الثالث،ص۱۳۵، الطبعۃ الاولی:۱۹۳۲ء، دارالفکرللعربی

۷۸ المواہب اللدنیۃ ،ج۱،ص۵۶

☆☆☆

باب چہارم

محمد عربی ﷺ کی عالمگیر نبوت

بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے عظیم ترین روحانی نعمت کا انتظام و اہتمام ابتداء آفرینش سے ہی اللہ رب العزت کی سنت ثابتہ رہی ہے۔ انبیائی بعثت مبارکہ کے اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی انسانیت کے محسن اعظم، خاتم الانبیاء (۱) محمد عربی ﷺ تھے جن کے ذریعہ اس نعمت عظمیٰ کی تکمیل ہوئی جیسا کہ قادر مطلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيْناً۲

[آج میں نے آپ کے لیے آپ کے دین کو مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت آپ پر تمام کر دی اور آپ کے لیے اسلام کو طریقۂ زندگی کی حیثیت سے پسند کیا۔]

گویا افکار و نظریات اور ادیان و مذاہب کی کہکشاں میں اسلام وہ قدیم ترین مذہب ہے جو آدمؑ و حواؑ کا بھی تھا اور نوحؑ و ابراہیمؑ کا بھی، عیسیٰؑ و موسیٰؑ بھی اس دین حنیف کے علم بردار رہے اور محمد عربی ﷺ بھی اسی دین حنیف کو لے کر تشریف لائے۔ کتاب اللہ میں اس ابدی حقیقت کو یوں بیان فرمایا جاتا ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحاً وَّالَّذِىْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسٰى وَعِيْسٰى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ۔۳

[اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمد) اب آپ کی طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں۔ اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔]

بعثت محمد عربی ﷺ ایک ناگزیر ضرورت:

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کے ساتھ ہی ساتھ اللہ رب العزت نے کم وبیش

سو صحیفے اور کتابیں بھی بھیجیں تاکہ انسان ضلالت و گمراہی کی پگڈنڈیوں سے منحرف ہوکر اور باطل خداؤں سے رشتہ منقطع کر کے محض خالق حقیقی کی عبدیت کا تاج ہی اپنے سر پر رکھے اور مختصر سی مدت حیات میں اور ہر گوشۂ عمل میں اس کا تابع فرمان ہوکر سعادت دارین کا اپنے آپ کو مستحق بنالے۔ نبوت کا یہ مبارک سلسلہ ابوالبشر اور ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوا اور وقتاً فوقتاً حالات وضروریات کے لحاظ سے کم و بیش سوا لاکھ نفوس قدسیہ انسانیت کی ہدایت کے لیے تشریف لاتے رہے، یہاں تک کہ نبی آخرالزماں ﷺ کی آفاقی اور تا قیامت نبوت کے ذریعہ ہدایت کی روشنی پوری دنیا میں عام ہوگئی اور آپ ﷺ کی بعثت پر یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ خاتم المرسلین کی حیثیت سے آپ کی عظمت پر یہ اقتباس ناطق ہے:

> ''گردش لیل ونہار کے ساتھ نجوم نبوت کا طلوع وغروب بھی جاری رہا، حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، ایوب، سلیمان، اسحٰق، اسماعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات کے اسماء گرامی سے ہم آپ واقف ہیں، مگر بکثرت ایسے بھی ہیں جن کے ناموں سے ہم بالکل ناواقف ہیں۔ ہاں یہ جانتے ہیں کہ ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، جو یکے بعد دیگرے آتے رہے اور یہ سلسلہ تھوڑے وقفوں کے ساتھ جاری رہا، یہاں تک کہ مکہ سے آفتاب رسالت طلوع ہوا، محفل انجم برخواست ہوگئی اور سلسلۂ نبوت ورسالت سید المرسلین پر ختم کر دیا گیا'' [۱]

رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ ایسے وقت میں ہوئی جب کہ پوری دنیا کفر و شرک کی آلائشوں میں لت پت تھی، جہالت، ناانصافی، ظلم اور سفا کی شباب پر تھی، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا جہاں انسانیت گمراہ نہ رہی ہو، تہذیب وتمدن کا علم بردار یورپ تاریکی میں غرق تھا، سوپر پاور کہے جانے والے روم وایران کی حالت بھی بڑی اندوہناک تھی، بالخصوص عرب کا خطہ ان تمام برائیوں اور خباثتوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جن سے

انسانیت کا لبادہ تار تار ہو چکا تھا اور حیوانیت و درندگی کے روح فرسا مناظر ہر شعبۂ زندگی میں عام ہو گئے تھے۔

دنیا کے لوگ خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا کفر و شرک کی غلاظت میں پڑے ہوئے دوسرے تمام انسان، وہ خالق کائنات، رب قدیر اور معبود حقیقی سے اس قدر غافل تھے کہ اپنے مقصد زندگی اور خالق حقیقی کے بارے میں کچھ سوچنا بھی خلاف شان سمجھتے تھے۔ کفر و شرک اور تمام تر انسانیت سوز اعمال و افعال کے طوق سے ان کو نجات اسی وقت دلائی جا سکتی تھی جب کہ ان کی ہدایت کے لیے کوئی ایسا رسول آتا جس کا وجود ہی اس کی رسالت پر دلیل کامل ہوتا اور نوشتۂ ہدایت کو ایسی شکل میں پیش کرتا جس میں باطل کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہ ہو جس سے ماضی کے مقدس صحائف و کتب محفوظ نہ رہ سکے اور دوسری طرف ہدایت نامہ ایسا ہوتا جو واضح، محکم اور راست تعلیمات پر مشتمل ہوتا۔ ان آیات کریمہ میں اسی حقیقت کی تصویر کشی کی گئی ہے:

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنفَكِّيْنَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُو صُحُفاً مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۔ ⑤

[اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو کافر تھے (وہ اپنے کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس دلیل روشن نہ آ جائے، (یعنی) اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں بالکل راست اور درست تحریریں لکھی ہوئی ہوں۔]

جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی مادی نعمتیں پوری دنیائے انسانیت کے لیے عام ہیں۔ ہر شخص ہوا، پانی، مٹی، آگ اور دیگر تمام مادی سامان زندگی کا ضرورت مند ہے، نہ ہی وہ ان کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ان کے استعمال پر پابندی لگانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ان تمام اشیاء زندگی سے آدمی کا جسم تو موٹا ہو سکتا ہے اور وہ توانا و تندرست ہو سکتا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان اشیاء ضروریات کو استعمال کر کے بہت

سے جانور اولاد آدم سے جسمانی لحاظ سے موٹے، تندرست اور توانا ہوتے ہیں۔ محض ان مادّی ضرورتوں کی تکمیل سے کوئی شخص انسان نما جانور تو بن سکتا ہے لیکن وہ اصلاً انسان نہیں بن سکتا۔ اللہ رب العزت کی روحانی نعمت جو دین یا ضابطہ سے موسوم ہے، آدمی کو انسان بناتی ہے بلکہ یہی نعمت اسے انسانیت کی معراج تک پہنچا دیتی ہے۔ اگر اللہ رب العزت کی مادّی نعمتوں سے کسی مخصوص شخص یا گروہ کی ملکیت ناقابل قبول ہے تو اس رب العالمین کی اس نعمت پر جس سے روح کو بالیدگی ملتی ہے اور آدمی انسان بن جاتا ہے، مخصوص افراد یا مخصوص گروہ کی ملکیت کیونکر تسلیم کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اللہ کا دین اسلام دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے[۶] اور یہ کہ اس کے علاوہ جتنے ادیان و مذاہب دنیا میں موجود ہیں یا تو وہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں یا اللہ کے دین کی محرف شکلیں ہیں۔ اس لیے ان میں سے کسی بھی دین یا طریقۂ زندگی کو اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کا شرف حاصل نہیں ہے۔[۷]

اگر اللہ رب العزت کی یہ روحانی نعمت تمام انسانوں کے لیے ہے اور بلا شک و ریب کسی فرق و امتیاز کے بغیر جغرافیائی حدود و قیود سے پرے یہ دین تمام انسانوں کے لیے اتنا ہی ضروری اور نفع بخش ہے جتنا نوحؑ و ابراہیمؑ اور عیسیٰؑ و موسیٰؑ کی قوم کے لیے تھا، تو عرب کے بادیہ نشینوں کی زندگی میں انقلاب لانے کی جو صلاحیت اس دین خداوندی میں پنہاں تھی وہی صلاحیت آج بھی اس دین کے اندر باقی ہے اور بلاشبہ یہ پوری انسانیت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اپنے پورے حسن اور تمام رعنائی کے ساتھ دنیا کے انسانوں کی زندگی کو بدلنے کے لیے مطلوب جوہر تاباں اللہ کے اس ضابطۂ زندگی میں موجود ہے۔

قرآن مجید عالمگیر منشور:

اگر دین اسلام تمام دنیائے انسانیت کے لیے ہے تو یہ سمجھنے میں کوئی دقت و دشواری پیش نہیں آتی کہ اس کا منشور قرآن مجید بھی پوری دنیا کے لیے ہے۔ یہ دین جس ذات اقدس کے ذریعہ آج انسانوں کو ملا ہے اس کی عظمت بھی اس اظہار حقیقت سے

عیاں ہوتی ہے کہ اگرچہ اس کی ولادت باسعادت مکہ میں ہوئی، اسی سرزمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے شرف نبوت سے ہمکنار کیا اور اہل مکہ کو اس کی دعوت کا پہلا مخاطب بنایا لیکن سچائی یہ ہے کہ آپ ﷺ صرف اہل مکہ کے لیے نہیں، محض عرب قوم کے لیے نہیں، بلکہ تمام ممالک واقوام کے لیے اور پوری انسانی برادری کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے۔

اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مادّی اور روحانی نعمتیں تمام انسانوں کے لیے ہیں تو اس کا عطا کیا ہوا دین اسلام کا منشور قرآن مجید بھی تمام انسانوں کے لیے ہے جو قیامت تک اپنے انوار سے قلوب انسانی کو ضیاء پاش کرتا رہے گا۔قرآنی تعلیمات کی آفاقیت اللہ رب العزت کے اس اعلان عام میں ناطق ہے:

هَـٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَـٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ۔ ۸

[یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے اور یہ بھیجا گیا ہے اس لیے کہ ان کو اس کے ذریعہ سے خبردار کردیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں۔]

اسلام نہ ہی کلمۂ طیبہ کے انقلابی بول بولنے والوں کے لیے مخصوص دین ہے اور نہ ہی اس کا تحریری ضابطۂ زندگی قرآن مجید ان کے لیے مخصوص سرمایۂ زندگی ہے۔ بلکہ ہر اس شخص کے لیے یہ خدا کا عنایت کردہ ہدایت نامہ ہے جو پرہیزگاری کا طریقہ اختیار کرتا ہو، یعنی اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور اسکے احکام پر عمل پیرا ہونے کا جذبۂ صادق اس کے اندر پایا جاتا ہو، قرآن ایسے ہی لوگوں کو رشد وہدایت کی شاہراہ دکھاتا ہے۔قرآن مجید کے مالک نے اس حقیقت کا اعلان مقدمۂ کتاب میں اس طرح کیا ہے:

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ

أُولَـٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ ۹؎

[یہ ہدایت ہے ان پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔]

قرآن مجید بنی نوع انسان کے لیے ہدایت نامہ اور سراپا تنبیہ و نصیحت ہے جو بلا فرق و امتیاز رنگ و نسل انسانی برادری کے ان تمام لوگوں کے لیے نفع رسانی کا کام کرتی ہے جن کے قلوب خشیت الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

هَـٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ۔ ۱۰؎

[یہ لوگوں کے لیے ایک صاف اور صریح تنبیہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے ہدایت اور نصیحت۔]

قرآن مجید میں مرقوم تمام تعلیمات شک و ریب سے پاک ۱۱؎ راہ راست کی ضمانت ۱۲؎ ہر چیز کی تفسیر و وضاحت ۱۳؎ اور کذب و بطلان سے پاک ہیں۔ ۱۴؎ قرآن مجید کے آفاقی، عالمگیر اور قیامت تک کے لیے نسخۂ شفا ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ماضی کی مقدس کتب و صحائف کے لیے کسی قسم کی حفاظت کا ذمہ ان کے نازل کرنے والے نے نہیں لیا تھا۔ واحد یہ کتاب ہدایت ہے جس کو بڑے اہتمام سے نازل کرنے کے بعد قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا۔ فرمایا جاتا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ ۱۵؎

[بلاشبہ ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔]

زمانے میں پے درپے انقلابات و حوادث رونما ہوتے رہے، صدیاں

گذر گئیں، قوموں کے عروج وزوال کے مناظر بھی تاریخ میں نظر آئے ہیں، حق وباطل کی معرکہ آرائی بھی ہوتی رہی، اسلام اور مسلمانوں کو ترغیبات وتحریصات کے دام میں بھی گرفتار کیا گیا، دلدوز دھمکیوں سے بھی ان کا استقبال کیا گیا اور وقت کی حکومتیں بھی وقتاً فوقتاً اسلام اور اہل اسلام سے نبرد آزما رہیں اور آج بھی اسلام اور مسلمان اہل باطل کی نظروں میں شہتیر بن کر کھٹکتے ہیں، شدت پسندی، انتہا پسندی اور دہشت گردی جیسے الفاظ آج مسلمانوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور قرآن اور صاحب قرآن مختلف جہتوں سے ان کی مذموم کاوشوں کا ہدف بنتے ہیں، لیکن تاریخ اس صداقت پر روشن دلیل ہے کہ ان کی کوششیں منہ کی پھونکوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔[۱۶] اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین اسلام اور مستند ترین منشور قرآن مجید کا پوری دنیا میں غلغلہ بلند ہے اور محمد عربی ﷺ کی عالمی نبوت پر دلیل روشن کی حیثیت سے یہ پوری دنیا کی نگاہوں کا مرکز اور ذہن وفکر کا محور بنا ہوا ہے۔

قرآن مجید عالمی نبوت پر عظیم الشان دلیل:

صاحب نبوت ﷺ کی انفرادیت وتشخص بلکہ آفاقیت اور عالمگیریت کے سب سے بڑے ثبوت میں اس کتاب الٰہی کو پیش کیا جا سکتا ہے جس کا تقدس کبھی مجروح نہیں ہوا اور ایک حرف کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ تمام بنی نوع انساں کا انمول خزانہ ہے جس سے اس جہان آب وگل میں عزت وسرخروئی ملتی ہے اور جو آخرت کی ابدی اور مستقل زندگی کا توشہ راہ بھی بنتا ہے۔ قرآن مجید کے ذریعہ تا قیامت بنی نوع انساں کی ہدایت کا عمل اسی عظمت وشان کے ساتھ جاری رہے گا جس طرح اپنے زمانہ نزول میں وحشی اور غیر متمدن بلکہ انسانیت کے دشمن اہل عرب کی زندگیوں کو انقلاب آشنا کرنے میں یہ یگانۂ روزگار ثابت ہوا تھا۔

قرآن مجید کی عظمت کے اس فکری پہلو پر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی یہ عبارتیں سند ہیں:

"It revolutionized the social, political, intellectual

and economic life of the Arabs. It brought with it a Gospal which in philosophy and spirits substantially deffered from the philosophy and spirits of Arab life". ۱۷

[اس نے عرب کے سماجی، سیاسی، علمی اور معاشی زندگی کو یکسر بدل دیا۔ یہ اپنے ساتھ ایک صداقت لے کر آیا جو اپنے فلسفہ اور روح میں عربوں کے فلسفہ حیات اور اس کی روح سے مختلف تھا۔]

قرآن چونکہ مذہب اسلام کا ایک دستور ہے جو قیامت تک پوری انسانیت کے لیے ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔ اس دستور حیات پر کسی قسم کا شک و ریب یا اس کے مشتملات و مباحث پر ردو قدح دراصل اسلام اور محمد عربی ﷺ کی عظمت و تقدس کو مجروح کرنا ہے۔ مشہور مؤرخ جرجی زیدان اس اعتراف حقیقت سے گریز نہ کر سکا:

'اسلام کی اساس قرآن مجید ہے۔ اس کی تائید میں خود اسلام یا عرب کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کے سلسلے میں یہی اعتقاد صحابۂ کرام کے دلوں میں جاگزیں تھا جس کی وجہ سے جنگوں میں فتح و تسخیر کے علم گاڑ دیے تھے۔ وہ روم و ایران کی حکومتوں پر غالب ہو گئے تو ان کا اعتقاد اس بات پر اور بھی مضبوط ہو گیا کہ عرب کے علاوہ کوئی دوسرا فریق کبھی غالب نہیں آ سکتا، بشرطیکہ قرآن کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا جائے'۔ ۱۸

تاریخ ادب عربی کے ایک نامور محقق احمد حسن زیات کے بقول اس کلام میں کسی قسم کے شک و ریب اور تردد و پس و پیش کی گنجائش نہیں ہے اور کذب و بطلان اس کے قریب نہیں پھٹکتا۔ یہ دراصل خدائے بزرگ و برتر کی نازل کی ہوئی ہدایات ہیں۔ یہ کلام پاک آپ ﷺ کی دعوت کا موید، آپ کی امت کے لیے ضابطۂ حیات اور دستور زندگی ہے۔ ۱۹

اغیار و اجانب میں دانشوران یورپ نے بھی قرآن مجید کی عظمت پر گویائی کی ہے۔ پروفیسر فلپ، کے حتی کا قد بھی بلاشبہ علماء اور دانشوروں میں اونچا ہے۔ اپنی شہرت یافتہ تصنیف میں عظمت قرآن پر گویا ہوتے ہیں:

"The religious influence it exercised as the basis of Islam and the final authority in matters, spiritual and ethiecal is only one side of the story" ۲۰

[قرآن روحانی اور اخلاقی امور میں اسلام کی اساس اور قول فیصل کی حیثیت سے جو اثر رکھتا ہے، تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔]

مشہور فرانسیسی عالم گولڈز ہیر قرآن کریم کو موضوع بحث بناتے ہوئے اپنی ایک تصنیف میں اس اظہار حقیقت سے گریز نہیں کرتا:

"It is the holy writ of Islam regarded by Muslim orthodoxy as the eternal word of God, kalamullah revealed to the prophet Mohammad for preaching it to all people" ۲۱

[یہ مذہب اسلام کی ایک مقدس کتاب ہے جسے مسلم اعتقاد کے مطابق خدا کا ابدی کلام یعنی کلام اللہ مانا جاتا ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی تا کہ پوری انسانیت کو (رشد و ہدایت کا) سبق گوش گزار کیا جائے۔]

دانشوران استشراق میں جان برٹن نے بھی اپنی تحریروں میں قرآن اور سیرت طیبہ پر اپنے قلم کا زور صرف کیا ہے۔ قرآن مجید کی مستند حیثیت پر اس کی نوک قلم سے نکلے ہوئے یہ الفاظ اس کے ذہن و فکر کی شفافیت پر دال ہیں:

"The Quran, scripture and the credentials of the

polity of Islam is ideally identical without addition without subtraction, whole complete and true record of the divine revelation" ۲۲

(قرآن مجید الہامی نوشتہ اور اسلامی نظام کے صحیح ترجمان کی حیثیت سے ہو بہو ویسا ہی ہے جیسا نازل ہوا تھا۔ اس میں کوئی حذف و اضافہ نہیں ہوا ہے، مکمل ہے اور وحی الٰہی کا سچا دستاویز ہے۔)

اسلام کے اس دستورِ زندگی کو مستند مقام حاصل ہے، ۲۳ یہ سراپا مبارک ہے جس کی اتباع کا حکم الٰہی صادر ہوتا ہے، ۲۴ تاریکیوں کی پگڈنڈیوں سے نکال کر روشنی کی شاہراہ پر لانے والی کتاب ہے ۲۵، تمام اختلافات و تضادات کو واضح کر دینے کی غرض سے نازل کی گئی، ۲۶ صحیح و غلط اور حق و باطل کی کسوٹی ہونے کا مقام اسے حاصل ہے ۲۷، ہر چیز کی وضاحت اس میں موجود ہے اور سراپا ہدایت و رحمت ہے ۲۸، قرآن مجید کے یہی وہ فکری خصائص ہیں جن کی بنا پر تمام قسم کی جہالتوں اور خباثتوں کے ولدل میں پھنسی ہوئی قوم کے اندر وہ حیرت انگیز انقلاب آیا جس پر پورا عالم انگشت بدنداں ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات و ہدایات جب عرب کی سرحدوں سے نکل کر انحاءِ عالم میں پہنچیں تو یہ اخلاق و کردار اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بیمار مشرق و مغرب کی شفایابی کا سامان بن گئیں۔

فکری یا دینی عظمت کے علاوہ قرآن مجید ادب کا وہ شہ پارہ ہے جس کی مد مقابل دنیا کی بڑی سے بڑی کتاب اور ضخیم سے ضخیم انسائیکلوپیڈیا نہ ہو سکی۔ پوری دنیا کے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن مجید نبوت محمدی ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لیے اور پوری انسانیت کے لیے ہے، اس لیے یہ قرآن مجید بھی بطور معجزہ قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔ اس اصولی اور نظریاتی صداقت کے علاوہ یہ حقیقت بھی قرآن مجید کی برتری اور آفاقیت پر دلیل ہے کہ زبان و بیان کے لاثانی علماء ادب نے اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے، حتیٰ کہ اس کی اعجازی ادبیت نے شہ سواران زبان و ادب کی قوت فیصلہ کو سلب کر لیا اور حیرانی و پریشانی کے عالم میں وہ اس

کلام ربانی کو کبھی سحر کہنے لگے۲۹، کبھی شعر وشاعری سے موسوم کرنے لگے۳۰ اور کبھی مجنون اور دیوانے کی بڑ کہنے لگے۳۱۔ بہر حال عربی زبان وادب کے ائمہ اس کلام ربانی سے مدہوش وحیران ہوگئے اور وہ اپنی قوت فیصلہ کھو چکے۔

موضوع اور مقصد کی بلندی وپاکیزگی، نیرنگیٔ مضامین ومطالب اور پیشین گوئیوں کی موجودگی، وسعت فکر ونظر اور خوبیٔ تراکیب، ان سب میں قرآن مجید کی عظمت کے سامنے دنیا کی دیگر تمام ادبی کتابیں بشمول کتب الٰہیہ اور صحف مقدسہ پستہ قد اور ہیچ نظر آتی ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن مجید مذکورہ بالا تمام صفات میں اعجازی کردار کا حامل نظر آتا ہے، تاہم قرآن مجید کی اصل وجہ اعجاز زبان وادب کے اعلیٰ وارفع شہ پارہ ہونے کی حیثیت سے ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ وہ کبھی بھی فکر کی بلندی، غیب دانی، مضامین کے تنوع اور پیشین گوئیوں کے لحاظ سے فاخر ونازاں نہیں ہوئے اگر انھوں نے کبھی دعویٰ کیا تو اپنی زبان دانی کا اور زبان وبیان کے دقیقہ شناس ہونے کا۔

عرب کے معاشرے میں جب نزول قرآن کا مبارک سلسلہ جاری تھا، کفار ومشرکین اسے بشری کلام کہنے پر مصر تھے۔ اور وہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ اس کلام مقدس کو محمد عربی ﷺ اور ان کے معزز اصحاب ورفقاء کی طرف منسوب کردیں، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ کلام محمد عربی ﷺ کا نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ان کی چودھراہٹ اور اقتدار پر ضرب پڑ رہی تھی، آبا واجداد کے خود ساختہ خداؤں کی عظمت پیوند خاک ہو رہی تھی اور ان کی کرسی واقتدار کو بھی خطرہ لاحق ہوگیا تھا، اس لیے آپ کی نبوت کی تکذیب کے لیے بیک وقت دو حربے اختیار کیے۔ ایک تو یہ کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کی سیرت کو نشانۂ سب وشتم بنایا اور دوسرے یہ کہ قرآن مجید کی مافوق الفطرت عظمت کو مجروح کرتے ہوئے اس جیسا کلام پیش کرنے کے سلسلے میں ادعانہ انداز اختیار کیا۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ وہ **لو نشاء لقلنا مثل هذا**۳۲ کی رٹ لگاتے رہے اور وہ اس قرآن مجید جیسی دس سورتیں، ایک سورۃ بلکہ ایک آیت بھی پیش کرنے پر قادر نہ ہوسکے۔

یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید کے مالک کو اعداء اسلام کی یہ ادا پسند نہ آئی تو انھیں

اپنے دعویٰ میں باطل ثابت کرنے کے لیے اور اپنے رسول کو تائید ونصرت سے ہمکنار کرنے کے لیے اللہ رب العزت نے ان سے قرآن جیسی دس سورتوں کے پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ فرمایا:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَّادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ ۳۴

(کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑی ہے۔ کہہ دیجیے، اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنالاؤ اور اللہ کے سوا اور جو جو (تمہارے مددگار) ہیں انھیں تم بلالو، اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔)

دس سورتوں کا مطالبہ غالباً ان پر بہت شاق گذرا، وہ خاموش رہے اور عجز و درماندگی کی کیفیت ان پر طاری رہی، چنانچہ اللہ رب العزت نے انہیں رخصت دی اور فرمایا:

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔ ۳۵

[اور اگر تمھیں اس بابت جو ہم نے اپنے نبی ﷺ پر اتاری ہے، شبہ ہے تو اس جیسی ایک ہی سورۃ لے آؤ اور اس (مہم میں) اللہ کے علاوہ اپنے ہمنواؤں کو بلالو، اگر تم سچے ہو۔ پس تم اگر ایسا نہ کرسکو اور یقیناً کبھی نہیں کرسکتے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر اور جو تیار کی گئی ہے منکرین حق کے لیے۔]

ایک سورۃ کے مطالبہ کو بھی زبان وادب کے ان ائمہ نے کار دشوار سمجھا اور قرآن

کے مطالبے پر ندامت و پشیمانی کی تصویر بنے رہے۔ اللہ رب العزت نے پھر مہلت دی اور کہا کہ اس جیسی صرف ایک آیت ہی لے آؤ، اگر تم لوگ اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ مطالبہ ہوتا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ۔۳۶ ؎

(کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں تو اس جیسی کوئی ایک بات بھی لے آئیں۔)

قرآن مجید کے پے در پے ان تینوں مطالبات پر ائمہ علم وفن اور شہ سواران بلاغت وادب نے خاموشی کا مظاہرہ کیا۔ ظاہر ہے دعویٰ کو عملی جامہ پہنانے سے متعلق چیلنجز پر خاموشی اور اس پر اصرار، ان کے دعویٰ کی قلعی کھول دیتا ہے۔ اللہ رب العزت کو یہ معلوم تھا کہ وہ پوری زندگیاں لگادیں، پورا سرمایۂ حیات کھپادیں، اپنے حلیفوں اور معاونوں کی بھیڑ بھی اکٹھا کرلیں، جب بھی قرآن مجید کے کسی حصے کا مثل بھی وہ پیش کرنے پر قادر نہیں ہوسکتے۔ اس ضابطہ زندگی کی عظمت کا یہ پہلو بھی قابل ذکر اور بڑی توجہ کا طالب ہے کہ دنیائے علم و دانش، زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت میں چاہے ثریا کو چھولے لیکن وہ اس منزل من اللہ شہ پارے کا مثیل و معاند پیش کرنے سے قاصر رہی ہے اور انشاء اللہ اس کی اس جہت کی عظمت بھی تا قیامت مشکوک ومخدوش نہیں ہوسکتی۔

زبان و بیان کے ان ائمہ عرب کی کم مائیگی و بے بضاعتی اور خاموش طریقے سے ان کی ہزیمت و پسپائی پر قرآن مجید نے چیلنج کیا تھا جس کا جواب آسمان فصاحت پر کمندیں ڈالنے والے عرب نہ دے سکے اور نہ اب تک دیا جاسکا اور انشاء اللہ قرآن مجید کا یہ چیلنج تا قیامت آب وتاب کے ساتھ برقرار رہے گا۔ قرآن مجید کے لاثانی کلام ہونے اور اس جیسی ایک آیت بھی پیش کرنے سے متعلق جن وانس کی بے چارگی و درماندگی سے متعلق ارشاد ربانی ملاحظہ فرمایئے:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـٰذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً۔ ۳۷

[اے محمد ﷺ! آپ فرما دیجیے کہ اگر انسان اور جن سب مل کر قرآن جیسی کوئی چیز لانے پر ایکا کرلیں تو وہ اس جیسا کلام نہیں لا سکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔]

محمد عربی ﷺ کو قرآن مجید کی شکل میں ایک ایسا ضابطہ زندگی ملا تھا جس نے اپنے زمانہ نزول میں ہی تہذیب و تمدن سے نا آشنا اور تمام برائیوں میں ملوث معاشرہ کے شب و روز میں ایسا زبردست انقلاب برپا کر دیا کہ وہ انسانیت کی معراج کو پہنچ گئے، دنیائے انسانیت کے لیے معلم اخلاق بن گئے، دنیوی جاہ و حشمت اور شان و شوکت ان کے ہمرکاب ہوئی اور اسی دنیا میں آخرت کی ابدی اور حتمی کامیابی کی انہیں الٰہی بشارت بھی مل گئی۔ ۳۸ فکر و فن کا سرچشمہ یہ ربانی ہدایت نامہ تمام انسانوں کے لیے ہے جو بھی اخلاص کے سرمائے کے ساتھ اس کی خوشہ چینی کرے گا اور اپنی زندگی کی شب تاریک کو روشن کرنا چاہے گا، بدرجہ اتم یہ کلام ربانی اس کے دل کی دنیا کو بدلے گا، اس کے ذہن و فکر کے دریچے کھول دیگا اور وہ سعادت دارین سے ہمکنار کرنے میں وہی رول ادا کرے گا جو صدیوں قبل اپنے زمانہ نزول اور اس سے متصل زمانوں میں کر چکا ہے۔

قرآن مجید میں محبوب رب العالمین ﷺ کی عظمت:

قرآن مجید میں محمد عربی ﷺ کا جو مقام و مرتبہ بیان کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کی عظمت و رفعت اور مستند حیثیت کو جس انداز سے رب العالمین نے جگہ جگہ بیان کیا ہے، اگر فراخ ذہنی اور کشادہ نظری کے ساتھ ملاحظہ کیا جائے تو ہر دیدۂ بینا یہ تاثر لیے بغیر نہیں رہے گا کہ پوری دنیائے انسانیت میں بشمول انبیاء و رسل اگر اللہ کے بعد کوئی ذات ہے تو وہ ذات اقدس ہے، خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ کی۔ ذیل میں چند آیات کریمہ بطور استشہاد پیش کی جاتی ہیں:

جو دل اللہ کی محبت کا نشیمن بن جائے گویا وہ شرف و عظمت کی بلندی پر رسائی رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کی محبت گراں بہا سرمایہ ہے جس کے حصول کے بعد دنیا کی بڑی سے بڑی دولت اور اس عالم آب و گل میں بڑے سے بڑا اقتدار خس و خاشاک سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اللہ رب العزت جو سرچشمۂ صفات و کمالات ہے، اتباع رسول کو محبت کا اصل معیار قرار دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔ ۳۹

[(اے نبیؐ! لوگوں سے) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا۔]

محمد عربی ﷺ کی اصل پوزیشن داعیٔ حق کی ہے۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر جیسے القاب آپ کی شان میں باری تعالیٰ نے استعمال کیے ہیں جن سے رسول ﷺ کی سیرت پاک کی ہمہ گیریت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرمایا جاتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِيراً وَّدَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجاً مُّنِيراً۔ ۴۰

[اے نبی، ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔]

محمد عربی ﷺ کی داعیانہ اخلاص و دلسوزی اور اضطراب و بے چینی کی پذیرائی اللہ رب العزت اپنی کتاب عزیز میں کرتا ہے اور انسانیت کے رشد و ہدایت کے تئیں آپ کی بے قراری و بے چینی کی کیفیت پر باری تعالیٰ کی جانب سے تاسف کا بھی اظہار کیا جاتا ہے۔ سیرت طیبہ کی داعیانہ عظمت کو اس آیت کریمہ میں واشگاف انداز میں بیان کیا جاتا ہے:

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولٞ مِّنۡ أَنفُسِكُمۡ عَزِيزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيصٌ عَلَيۡكُم بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ رَءُوفٞ رَّحِيمٞ۔ [۴۱]

[تم لوگوں کے پاس ایک رسول آ گیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق گذرتا ہے، تمہاری ہدایت کا وہ حریص ہے۔ ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور مہربان ہے۔]

تزکیہ، تربیت اور تعلیم وحکمت فریضۂ دعوت کے اہم ترین مشتملات میں ہیں۔ آپ ﷺ جس معیار مطلوب پر فریضۂ دعوت کو ادا کرتے ہیں وہ دراصل اللہ کے دو چہیتے ایک خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مخلصانہ دعاؤں [۴۲] کی قبولیت کا مظہر ہے۔ دعوت دین کی شبانہ روز جدوجہد میں آپ ﷺ حقیقی معنوں میں مدعو قوم کے لیے مزکی عادات واخلاق اور معلم کتاب وحکمت ہونے کا عملی ثبوت دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ رب العزت کی یہ نعت گوئی بھی ملاحظہ ہو:

لَقَدۡ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ إِذۡ بَعَثَ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡ أَنفُسِهِمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبۡلُ لَفِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٍ۔ [۴۳]

[درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔]

اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت مبارکہ کا مقصد یہ تھا کہ اس دین کو تمام ادیان باطلہ اور خود ساختہ افکار ونظریات پر غالب کردیں۔ یہی وہ مقصد بعثت اور مقدس مشن تھا جس کی تکمیل میں آپ ذہن وفکر لگا رہے تھے، اخلاق فاضلہ ودلسوزی کو مدعو قوم پر نچھاور

کرر ہے تھے، اپنوں میں تزکیۂ نفوس اور اغیار و اجانب تک اس دین حنیف کو پہنچانے کے لیے فکر و اضطراب کا مجسم اور اس راہ میں حائل ہونے والی تمام مشکلات پر قابو پانے کے لیے صبر و عزیمت کی چٹان بنے ہوئے تھے۔ ایسے احوال میں کفار، مشرکین اور منافقین حبیب خدا ﷺ کو اخلاقی محاذ پر شکست دینے کے لیے اوچھے ہتھیار بھی اختیار کرر ہے تھے، ۴۴؎ ایسے سنگین موقع پر رب العالمین، رحمۃ للعالمین پر اپنی عنایت خاصہ اور فرشتوں کی دعاؤں کا چرچا کرتا ہے اور ایمان والوں کو درود و سلام بھیجنے کا حکم صادر فرماتا ہے۔ آیت کریمہ دیکھیے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔ ۴۵؎

[بلاشبہ اللہ تعالیٰ نبی پر عنایت فرماتا ہے، اس کے فرشتے دعا گو ہوتے ہیں۔ اے ایمان لانے والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔]

تمام انبیاء و رسل کے مقابلے میں انسانیت کے اس نجات دہندہ پر اللہ رب العزت کی طرف سے بے حد و حساب الطاف و عنایات اور دعوت کے کام میں بے کم و کاست مدعو معاشرے تک دعوت کو منتقل کرنے اور اس راہ پر خار میں آپ کی صیانت و حفاظت کا الٰہی اہتمام ۴۶؎ اس صداقت پر روشن دلیل ہے کہ رسول عربی ﷺ کی ذات سے باری تعالیٰ کو بے انتہا محبت ہے اور اپنے دین کو اس محبوب ترین فرستادے کے ذریعہ پوری دنیا پر غالب دیکھنا چاہتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ضمن میں رسول اکرم ﷺ کی رفیع الشان ہستی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تائید خاص پر بیسویں صدی کے معروف و ممتاز مفسر قرآن کی یہ وضاحت معنی خیز اور مفید مطلب ہے:

''ان حالات میں یہ آیت نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو یہ بتایا کہ کفار و مشرکین اور منافقین میرے نبی کو بدنام کرنے اور نیچا دکھانے کی جتنی چاہیں کوشش کر دیکھیں، آخر کار وہ منہ کی کھائیں گے، اس لیے کہ میں اس پر مہربان ہوں اور ساری کائنات کا نظم و

نسق جن فرشتوں کے ذریعہ سے چل رہا ہے، وہ سب اس کے حامی اور ثنا خواں ہیں۔ وہ اس کی مذمت کر کے کیا پا سکتے ہیں جب کہ میں اس کا نام بلند کر رہا ہوں اور میرے فرشتے اس کی تعریفوں کے چرچے کر رہے ہیں۔ وہ اپنے اوچھے ہتھیاروں سے اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں جب کہ میری رحمتیں اور برکتیں اس کے ساتھ ہیں اور میرے فرشتے شب و روز دعا کر رہے ہیں کہ رب العالمین محمد ﷺ کا مرتبہ اور زیادہ اونچا کر اور اس کے دین کو اور زیادہ فروغ دے''۔ ۴۷

آپ ﷺ اخلاق کریمانہ کی ان بلندیوں پر فائز ہیں جن کا کوئی ذہن تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اخلاق فاضلہ کی بابت قیامت تک باقی رہنے والی کتاب میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ اعلان دنیائے انسانیت کی توجہ محمد عربی ﷺ کی طرف مبذول کراتا ہے تو دوسری طرف مخالفین و معاندین کی الزام تراشیوں کا رفع وازالہ کرتا ہے۔ اپنے محبوب ترین پیغمبر ﷺ سے متعلق اللہ رب العزت کی یہ سند بھی قابل رشک اور مہتم بالشان ہے:

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْراً غَيْرَ مَمْنُونٍ وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ ۴۸

[اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر (فائز) ہیں۔]

نبوت کے آغاز میں نبی کریم ﷺ مخالفتوں اور مزاحمتوں کے طوفانی دور سے گذر رہے تھے۔ پوری قوم بھوکے بھیڑیوں کی طرح آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب پر ٹوٹ پڑی تھی۔ آپ کے ساتھ مٹھی بھر جماعت تھی اور کامیابی کے آثار بظاہر کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ رسول اللہ کے صاحب زادوں کا انتقال سن شعور کو پہنچنے سے پہلے ہی ہو گیا تھا اور اعداء اسلام آپ کے بے نسل اور بے نام و نشان ہونے کا طعنہ دے رہے تھے۔ ایسے حالات میں آپ ﷺ کو تمام قسم کے خیرات و حسنات اور عظیم ترین نعمتوں کی نوید مسرت دی جاتی ہے جن کی تعبیر 'الکوثر' سے کی گئی ہے۔ اور آپ کے دشمنوں کے ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جانے اور

بے نام ونشان ہو جانے کی پیشین گوئی کی جاتی ہے۔[49]

خیرات وحسنات میں آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ، نبوت، قرآن، علم، حکمت، توحید پر مبنی نظام زندگی اور حوض کوثر اور نہر کوثر کے علاوہ رفع ذکر کی وہ نعمت بھی شامل ہے جس کی بدولت حضور اکرم ﷺ کا نام نامی سوا چودہ سو سالوں سے دنیا کے گوشے گوشے میں بلند ہو رہا ہے اور قیامت تک بلند ہوتا رہے گا۔ آپ کے دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ اولاد نرینہ سے محروم ہو کر محمد ﷺ دنیا والوں سے بے تعلق ہو جائیں گے اور گمنامی آپ کا مقدر بن جائے گی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کروڑوں اور اربوں کی تعداد میں مسلمانوں کی شکل میں روحانی فرزند عطا کیے جو روئے زمین کے چپے چپے پر آپ کا نام روشن کرنے، آپ کا ذکر کرنے اور آپ پر درود بھیجنے کو باعث شرف اور وجہ افتخار سمجھتے ہیں، بلکہ آپ کی ایک صاحب زادی حضرت فاطمہ سے آپ کو وہ جسمانی اولاد بھی بخشی جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور جس کا سرمایۂ افتخار ہی آپ ﷺ سے انتساب ہے۔[50]

آج ابولہب، ابوجہل، عتبہ، عقبہ بن ابی معیط جیسے اعداء اسلام پوری انسانیت کی نگاہ میں ملعون و مردود کردار ہیں، اسی لیے نہ ہی ان کے ناموں سے اپنے آپ کو کوئی منسوب کرتا ہے اور نہ ہی فخر سے نام لیتا ہے۔ لیکن آج ہر کلمہ گو اپنے نام کے آگے محمد لگانا شرف کی بات سمجھتا ہے اور محمدی سے ملقب ہونے کو باعث سعادت قرار دیتا ہے۔ اذان کی شکل میں دن بھر کے پانچ اوقات میں اللہ کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول کا نام کروڑوں لوگوں کے ذریعہ لیا جا رہا ہے، خطبوں میں آپ کا ذکر کیا جا رہا ہے، سال کے بارہ مہینوں میں سے کوئی مہینہ، مہینہ کے دنوں میں سے کوئی دن اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہیں ہے جب روئے زمین کے کسی نہ کسی حصے پر رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک نہ ہو رہا ہو۔ گویا اعداء اسلام اللہ کی پیشین گوئی کے مطابق قعر گمنامی میں چلے گئے اور کوئی ان کا پرسان حال نہ رہا اور محمد عربی ﷺ اپنے آقا کے محبوب ترین بندے اور فرستادے تھے، ہیں اور قیامت تک رہیں گے اور آپ اس عظمت و رفعت کے حامل ہیں جس تک کسی نبی کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ کا نام نامی پوری دنیا میں جاری و ساری ہے، آپ کے

ذریعہ دیے گئے دین اور اس کے مستند ترین منشور کے ہادی و راہبر بننے اور آپ کے طریقۂ زندگی کے قیامت تک پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ثابت ہونے کی وجہ سے بلاشبہ محمد عربی ﷺ کا پایۂ عظمت بہت بلند ہے۔ گویا خالق دو جہاں کے بعد آپ کی ذات ہی رفیع الشان ہے۔ کسی بھی رنگ و نسل کے لوگ اور کسی بھی خطہ و برادری کے افراد جو جویائے حق ہیں، قیامت کے وقوع پذیر ہونے تک آپ ﷺ کی سیرت سے بے اعتنائی برت کر رشد و ہدایت کی منزل سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔ چار دانگ عالم میں آپ کا ذکر بلند ہے اور بلند رہے گا۔ اللہ رب العزت آپ کی عظمت کا قائل اور مدح خواں ہے۔ فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ ۵۱

[اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کا آوازہ بلند کیا۔]

قرآن مجید اور آپ ﷺ کی عالمگیر بعثت مبارکہ:

اللہ رب العزت نے کائنات بنائی اور اس میں انسان کو اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا ۵۲ بنی آدم کو اعزاز و اکرام بخشا اور بحر و بر اور خشکی و تری کو اس کے قابو میں کر دیا ۵۳، اس کے علاوہ آسمان و زمین کی ساری چیزوں پر اسے قوت تسخیر بخشی گئی ۵۴۔ ان ظاہری اور مادّی سربلندی و سرخروئی کے علاوہ اس کی ہدایت کا بے مثل انتظام کیا گیا۔ ابتداء آفرینش کائنات سے لے کر خاتم الانبیاء کی آمد تک کم و بیش سوا لاکھ اللہ کے محبوب و مکرم فرستادے ہر قوم اور ہر ناحیۂ عالم میں تشریف لائے۔ ذیل کی آیت کریمہ میں اسی حقیقت کا اعلان ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ ۵۵

[اے نبی ﷺ: ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔]

ایک دوسری جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اسی عظیم الشان سنت کی تذکیر کرائی جاتی ہے:

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ ۵۶
[آپ تو محض خبردار کردینے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہوا ہے۔]

اللہ رب العزت کی مشیت سے یہ قطعاً بعید نہیں تھا کہ ہر گاؤں اور ہر بستی کے لیے کوئی نبی یا رسول منذر و مبشر کی حیثیت سے بھیج دیتا ۵۷ لیکن اول تو یہ کہ اس کی ضرورت نہیں تھی اور دوسرے یہ کہ اس کی چاہت و مرضی بھی نہیں تھی، اس لیے کہ چیدہ اور معزز ہستیوں کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ ہر قوم اور ہر گروہ تک اللہ کی بات پہنچ جائے اور ذہن انسانی نشو ونما کے اس مرحلے میں پہنچ جائے اور دنیا میں وہ وسائل عام ہو جائیں جن کے ذریعہ شاہراہ ہدایت تک رسائی آسان تر ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت مبارکہ تاریخ انسانی کے اس مرحلے میں ہوتی ہے جس میں اللہ کے پیغام کو پوری دنیا میں عام ہونے میں کوئی چیز سد راہ نہیں بن سکتی تھی۔ صاحب تفہیم القرآن کے بقول:

''محمد ﷺ کی بعثت اس بات کی علامت ہے کہ نوع انسانی کی تاریخ اب اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ اب وہ اپنے آغاز کی نسبت اپنے انجام کے قریب تر ہے۔ آغاز اور وسط کے مرحلے گذر چکے ہیں اور آخری مرحلہ شروع ہو چکا ہے۔ یہی مضمون ہے جس کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ آپ نے اپنی دو انگلیاں کھڑی کر کے فرمایا: "بعثت انا و الساعة كهاتين" میں ایسے وقت پر مبعوث کیا گیا ہوں کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں، یعنی میرے بعد قیامت ہی ہے۔ کسی اور نبی کی دعوت بیچ میں حائل نہیں ہے۔ سنبھلنا ہے تو میری دعوت پر سنبھل جاؤ، کوئی اور ہادی اور بشیر و نذیر آنے والا نہیں ہے۔'' ۵۸

محمد عربی ﷺ کی بعثت چونکہ ایسے دور میں ہوئی تھی جب کہ انبیاء سابقین کی تعلیمات فراموش کی جا چکی تھیں اور صحائف و کتب میں ذاتی اور گروہی مفادات کے پیش

نظر تغیرات و تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ توراۃ اور انجیل جیسی کتب مقدسہ بھی حذف و اضافہ اور ترمیم و تحریف سے پاک نہ رہ سکیں اور وقتاً فوقتاً مذہب، الٰہیات، فلسفہ، قانون اور اجتماعیات کی ایسی بحثوں کا لامتناہی سلسلہ چل پڑا جن کی بنا پر انسانوں کے لیے متعین اور سیدھی شاہراہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ دوسری طرف انسانی معاشرہ بدی و بے حیائی، ظلم و عدوان، فحش و منکر اور قتل و خونریزی کے علاوہ تمام انسانیت کش مظاہر کی آماجگاہ بن گیا۔ ایسے احوال میں اس نظام زندگی کی تجدید کی ضرورت محسوس ہوئی جسے اپنے اپنے وقتوں میں اپنی اپنی قوم کے لیے انبیاء پیش کرتے رہے اور مدعو اور مخاطب معاشرہ کو شاہراہ نجات و کامیابی دکھاتے رہے۔ بعثت نبوی ﷺ کی معقولیت پر یہ آیت کریمہ ناطق ہے:

وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ۔ ۵۹

[اور بلاشبہ جو لوگ اگلوں کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کی طرف سے بڑے اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ (چونکہ یہ حالت پیدا ہو چکی ہے) اس لیے اے محمد ﷺ! اب آپ اسی دین کی طرف دعوت دیجیے اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیے۔]

آپ چونکہ خاتم الانبیاء ہیں اس لیے آپ کی دعوت کا مخاطب کوئی ایک گروہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی مخصوص قوم تھی بلکہ رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود و قیود سے بالا پوری دنیا کے انسان آپ کی دعوت کے محور و مرکز تھے۔ اسی حقیقت کا اعلان یہ آیت کریمہ کرتی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ ۶۰

[اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔]

صاحب کشاف، زجاج کے حوالے سے یہ رقم کرتے ہیں کہ منذر اور مبلغ کے لحاظ سے اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت عالمگیر ہے۶۱۔ اللہ کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں تھی کہ وہ ہر ہر گاؤں اور بستی کے لیے رسول بھیج دیتا، مگر رسول اللہ ﷺ کے ہی تمام دنیا والوں کے لیے بھیجے جانے کی مصلحت یہ تھی کہ جس طرح ایک سورج ساری دنیا کو منور کر رہا ہے، اسی طرح یہ اکیلا آفتاب ہدایت بھی سارے جہاں کو روشن کرے۔۶۲

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک مفسر قرآن رقم کرتے ہیں:

> ''رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، ان کی رسالت و نبوت کسی خاص قوم اور خاص خطۂ زمین کے لیے تھی۔ یہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی خصوصی فضیلت ہے کہ آپ کی نبوت ساری دنیا کے لیے عام ہے اور صرف انسان ہی نہیں جنات کے لیے بھی ہے اور صرف ان لوگوں کے لیے نہیں جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے بلکہ قیامت تک آنے والی انسانی نسلوں کے لیے عام ہے اور آپ کی نبوت و رسالت کا تا قیامت باقی اور مسلسل رہنا ہی اس کا مقتضی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہو، کیونکہ دوسرا نبی جب ہی مبعوث ہوتا ہے جب پہلے کی شریعت اور تعلیمات مسخ و محرّف ہو جائیں''۔۶۳

قرآن مجید اگر آفاقی اور عالمگیر ہدایت نامہ ہے تو وہ شخصیت بھی عالمی اور آفاقی ہوگی جس پر اس مبارک و مقدس نوشتۂ الٰہی کا نزول ہوا۔ اہل عرب یقیناً آپ ﷺ کی دعوت کے یا قرآن مجید کے پہلے مخاطب تھے لیکن قرآن مجید کو بغیر کسی تغیر و تبدل کے قیامت تک کے لیے محفوظ و مامون رکھنا اس بات کی شہادت ہے کہ قرآن مجید کے بعد اب نہ ہی کسی اور نوشتۂ ہدایت کی ضرورت ہے اور نہ ہی قیامت تک کوئی خدائی ضابطہ از سر نو آئے گا۔ قرآن کی حفاظت جس طرح کی گئی اسی طرح صاحب قرآن ﷺ کی سیرت طیبہ کے ترسٹھ سالہ روزنامچوں کے ایک ایک ورق کی حفاظت کی گئی اور آج بلاشبہ پوری دنیا میں واحد اس

ذات اقدس کی سیرت ہی ایسی سیرت ہے جو ہر شعبۂ زندگی پر محیط ہے اور جس کے استناد میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ قرآن مجید کا یہ اعلان بجا ہے کہ صاحب قرآن کسی مخصوص خطۂ ارض کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے عالم کے لیے نذیر ہیں۔ فرمایا جاتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ ۶۴

[بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ دنیا والوں کے لیے متنبہ کرنے والا بنے۔]

انجام بد سے خبردار کرنے والے، تنبیہ کرنے والے اور ضلالت و گمراہی کے عواقب و انجام سے ہوشیار کرنے والے کی تعبیر کے لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ رسالت مآب ﷺ کی شخصیت کی ترجمانی نذیر سے ہوتی ہے۔ نذیر کی حیثیت سے فرائض کی انجام دہی آپ ﷺ نے اپنے زمانہ نزول میں بھی کی، بعد کے ادوار میں بھی آپ کو دیا گیا ضابطۂ زندگی اور آپ کی سیرت طیبہ بعثت مبارکہ کے اس مقدس مشن کو بارآور کرتی رہی اور صداقت یوں ہے کہ قرآن اور صاحب قرآن کی سیرت پاک کے اس چشمۂ صافی سے انسانیت قیامت تک فیض اٹھاتی رہے گی، بشرطیکہ ذوق طلب اور جستجوئے ہدایت کو اثاثہ بنا کر انسان منزل حقیقی کی یافت کا خوگر و خواہاں بنا رہے۔

قرآن مجید تمام قسم کے شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔ یہ سرچشمہ بصیرت و ہدایت ہے۔ جو اس سے فیض حاصل کرنا چاہے گا، راہ یاب و فلاح یاب ہوگا اور جو اس سے اغماض و انحراف کا رویہ برتے گا، خاسر و نامراد ہوگا۔ جس طرح سورج سارے انسانوں کو فیض پہنچانے کے لیے طلوع ہوتا ہے، لیکن وہی اس سے فیض یاب و مستفیض ہوتا ہے جس کے اندر طلب موجود ہو اور جو بے طلب ہوگا اور اس کی روشنی سے بعد و تنفر اختیار کرے گا، سورج کبھی اس کے لیے نافع اور فیض رساں نہیں بن سکتا۔ قرآن مجید کی عظمت و آفاقیت کا ہمہ گیر پہلو یہ ہے کہ حرا سے طلوع ہونے والا یہ آفتاب ہدایت پوری دنیا کو منور کرنے کے لیے آیا ہے، لیکن جو اس کی اہمیت کا انکار کردے اور اخذ و استفادہ کے تئیں

اپنے ذہن و دماغ کو مقفّل کر لے اس کے لیے اس آفتاب ہدایت سے فائدہ اٹھانے کی کوئی شعاع امید باقی نہیں رہ جاتی۔ اللہ رب العزت نے اپنے اس ہدایت نامہ کے اندر اس حقیقت کا برملا اعلان فرما دیا ہے:

إِنَّـا أَنـزَلْـنَـا عَـلَيْكَ الْـكِـتٰـبَ لِلنَّـاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا۔ ۶۵

[(اے نبیؐ) ہم نے سب انسانوں کے لیے یہ کتاب برحق آپ پر نازل کردی ہے۔ پس جو سیدھا راستہ اختیار کرے گا اپنے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا اس کے بھٹکنے کا وبال اسی پر ہوگا۔ آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔]

اس امر میں صداقت کا رخ زیبا ناطق ہے کہ تاریخ انسانی کے آخری مرحلے میں بنی نوع انساں کے لیے نبی کریم ﷺ کی بعثت مبارکہ دراصل اللہ کی خاص عنایت ہے۔ آپ کے ذریعہ غفلت میں ڈوبی ہوئی انسانیت بیدار ہوئی بلکہ منزل مقصود کی رسائی کے لیے متحرک و فعال ہوئی، اس دنیائے آب و گل میں رہنے کا سلیقہ ہاتھ آیا، ظلم و عدوان کے جذبات کی حوصلہ شکنی ہوئی، عدل اور مساوات کی تعلیمات عام ہوئیں، عورتوں، غلاموں اور پسماندہ طبقات کے ساتھ انصاف کا ماحول خوشگوار ہوا، قتل، خوں ریزی اور دوسری انسانیت کش حرکتوں پر لگام لگی، گویا علم کی وہ شمع انسانوں کے ہاتھ آئی جس سے حق و باطل کا فرق واضح ہوا اور نجات و سلامتی کی راہ ممیز و مستنیر ہوئی۔ رب العالمین کی طرف سے اپنے محبوب ﷺ کی بابت یہ اعلان شایان شان ہے:

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ ۶۶

[اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر۔]

محمد عربی ﷺ کا وجود مسعود ساری مخلوقات کے لیے برکت و رحمت ہے۔ بلا فرق و امتیاز جغرافیائی حد بندیوں سے مستغنی آپ کی ذات گرامی دنیا کے ہر خطۂ ارض کے لیے رحمت و رافت کا پیکر ہے اور آپ پر اتاری گئی کتاب اور آپ کی سیرت طیبہ جویائے حق

اور ہدایت کی پیاسی دنیا کے لیے کافی وشافی مواد فراہم کرتی ہے۔

اسوۂ نبوی ﷺ کے بعض امتیازات:

مذہب اسلام تمام انبیاء ورسل کا مذہب تھا اور اپنے اپنے وقتوں میں ہر ایک نے اللہ کے فرستادہ کی حیثیت سے اپنی قوم کو راہ راست پر لانے سے متعلق ذمہ داری اخلاص و دلسوزی کے ساتھ انجام دی۔ آپ ﷺ چونکہ آخری نبی تھے کسی مخصوص جغرافیائی سرزمین کے لیے آپ کی بعثت نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی کسی مخصوص قوم اور مخصوص زمانہ کے لیے آپ آئے تھے، بلکہ پوری انسانی برادری کے لیے اور قیامت تک کے لیے آپ نے قدم رنجہ فرمایا تھا۔ اس لیے اکمال دین، اتمام نعمت اور سند قبولیت کا الٰہی پروانہ نبی آخر الزماں ﷺ کو دیا گیا۔

دنیا میں بڑے سے بڑے زعماء اور قائدین پیدا ہوئے، فاتحین اور سلاطین کی ایک طویل فہرست ہے، حکمراں اور منتظمین مملکت بھی بے شمار ہیں، لیکن بالعموم یہ اسٹیج کے غازی نظر آتے ہیں لیکن کردار کے لحاظ سے بونے اور پستہ قد ہوتے ہیں۔ اسی طرح کسی وصف میں نمایاں اور ممتاز ہوتے ہیں تو دوسرے میں قاصر و کوتاہ ہوتے ہیں۔ سچائی اس میں ہے کہ بڑے سے بڑے رئیس سلطنت اور عظیم سے عظیم شخصیت کی زندگی کے اوصاف باہم متضاد و متناقض اور بے اعتدالیوں کے شکار ہوتے ہیں۔ انسانیت کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے انبیاء کرام بلاشبہ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں تاہم ان میں کوئی ایک ہی وصف بہت نمایاں ہوتا ہے اور یہی ان کی شناخت بن جاتی ہے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی زندگی تمام اوصاف وکمالات کی جامع ہے۔ تمام ہی اوصاف و خصائص مہتم بالشان ہیں۔ اخلاق و کردار کا ہر پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کس پہلو میں انفرادیت یا شان امتیاز کی تحدید و تخصیص کی جائے۔

ایک آئیڈیل زندگی کے لیے مطلوبہ صفات ہوتی ہیں اور بلاشبہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ان صفات سے مزین ہے جو بشمول انبیاء ورسل کسی بھی مذہب کے بانی اور پیشوا، کسی بڑی سے بڑی جماعت کے امیر اور قائد یا کسی فاتح اور حکمراں کی زندگی میں عنقا ہوتی

ہیں۔شکوک و شبہات سے بالا کردار یا صفت استناد سے مزین اخلاق،صحیفۂ زندگی کے ہر باب اور عمل کے ہر پہلو کا روز روشن کی طرح عیاں ہونا، بنی نوع انساں کے ہر فرد اور ہر گروہ کے لیے راہنما نقوش و ہدایات کا کافی و شافی ہونا،تمام تعلیمات و ہدایات کو عملی شکل میں پیش کیا جانا ۶۸ اور خویش و اقارب کے ساتھ ساتھ اغیار و اجانب کی جانب سے بلندئ کردار کی شہادت، یہ وہ بلند پایہ میزات وخصائص ہیں جن سے بلا مبالغہ محمد عربی ﷺ اور صرف محمد عربی ﷺ کی زندگی ہی بتمام وکمال آراستہ ہے۔ یہ صفات جس شخصیت میں خوبی و کمال کے ساتھ موجود ہوں، اس کے عالمگیر اور دائمی ہونے میں کسی شک و ریب کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ عالمگیر کردار یا بنی نوع انساں کے لیے نمونہ عمل کردار کے ان مشتملات کو ذیل کے سطور میں بالاختصار بیان کیا جاتا ہے:

مستند سیرت:

استناد یا تاریخیت کسی بھی نمونہ عمل اور عالمگیر سیرت میں اولیت کا مقام رکھتی ہے۔انسان کی نفسیات ہے کہ کسی بھی خبر یا واقعہ کی بابت اس کو معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی یا مشکوک و مشتبہ ہے تو اس کے قبول کرنے میں وہ تردد وپس و پیش کا شکار رہتا ہے۔ چنانچہ ایک کامل انسان کی سیرت کا لازمی عنصر یہ ہے کہ اس سے متعلق حالات و کوائف میں کوئی غموض و ابہام نہ ہو اور نہ ہی اس کی صداقت پر دھندلا پن چھایا ہوا ہو۔ چونکہ بانیان مذاہب اور انبیاء کرام میں محمد عربی ﷺ کی شخصیت ہی ایسی ہے جو اس وصف سے کما حقہ متصف ہے۔محمد ﷺ کی نطق و گویائی میں خواہشات نفس کا دخل نہیں ہوتا،آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے،آپ سے محبت اللہ سے محبت کی سند ہے اور یہ کہ آپ ﷺ اخلاق کے بلندترین مرتبے پر فائز ہیں،کتاب اللہ کی یہ شہادتیں سیرت طیبہ کے پایۂ استناد پر دال ہیں۔

آپ ﷺ کی سیرت کے استناد کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور آپ ﷺ کے اعمال و افعال کی جمع و تدوین میں صحابہ، تابعینؒ، تبع تابعین اور بعد کے فضلاء و محدثین نے جس جفاکشی اور منظم جدو جہد کا ثبوت دیا ہے، بلاشبہ ایک غیر جانب دار شخص یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس دلچسپی و اہتمام

اور کدو کاوش کا عشر عشیر بھی کسی شخصیت کے احوال و آثار کے یکجا کرنے میں نظر نہیں آتا۔ حزم و احتیاط کی حد یہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ سے روایت کرنے والے کم و بیش ایک لاکھ افراد کے احوال زندگی، اخلاق و عادات اور خصائل و اطوار قید تحریر میں لائے گئے تاکہ راویان حدیث کے ثقہ ہونے اور نہ ہونے کی بنا پر روایت یا حدیث کو صحت و سند کی میزان پر یا تو قبول کیا جائے یا رد کر دیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت کی تاریخیت کے وصف پر سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں:

> ''اس باب میں تمام دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور ہر اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرت کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے وہ عالم کے لیے مایۂ حیرت ہے''۔[۶۹]

مکمل اور محفوظ سیرت:

کسی کی سیرت کے نمونۂ عمل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ اور شب و روز کا کوئی عمل پردۂ خفا میں نہ ہو۔ خواہ وہ جلوت میں ہو یا خلوت میں، احباب و رفقاء کی بزم میں ہو یا اعداء اسلام کے ساتھ میدان رزم میں، عبادت و تسبیح اور حقوق اللہ سے متعلق کسی شغل میں ہو یا بیوی بچوں اور اللہ کے دوسرے بندوں سے متعلق کسی قضیے میں، گویا صحیفۂ زندگی کا ہر صفحہ روشن ہو۔ اگر مفروضات اور تحفظات سے بالا ہو کر دنیا کی عظیم ترین ہستیوں کے شب و روز کا جائزہ لیا جائے تو محمد عربی ﷺ کی واحد شخصیت منظر عام پر آتی ہے جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ اور ایک ایک عمل تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

ولادت باسعادت، شیر خوارگی، عہد طفولیت، ہوش و خرد مندی، جوانی، کہولت، بیع و شراء، آمد و رفت، نکاح، قبل نبوت جنگوں میں شرکت، معاہدوں میں شمولیت، حکم بننا، خانۂ کعبہ میں حجر اسود کی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی منتقلی کا معاملہ، تلواروں کا نیام سے باہر آ جانا اور محمد ﷺ کا فیصل کی ذمہ داری انجام دینا، عزلت نشینی کا رجحان اور غار حرا کی گوشہ

نشینی کی زندگی، وحی الٰہی کا نزول، ظہور اسلام، دعوت و تبلیغ کے مختلف مراحل، جاہ و منصب اور مال و دولت کی پیش کش اور نبی عربی ﷺ کا مسکت جواب، رؤساء قریش کا دعوت حق سے روکنے کی وارننگ، ان کا ردّ عمل اور سرور عالم ﷺ کا اپنے موقف پر پیکر عزیمت و استقلال بنے رہنے کا اعلان، شعب ابی طالب میں آپ ﷺ کا قیدی بنایا جانا، آپ کے سلسلے میں مخالفین کے اوچھے ہتھکنڈے، طائف کا سفر، معراج، ہجرت، میثاق مدینہ، سلاطین عالم کے نام دعوتی خطوط، غزوات و سرایا میں قائدانہ کردار، ازواج مطہرات کے ساتھ خانگی زندگی، اسلام کی عام اشاعت اور ساری دنیا پر آپ کے مشن کا غلبہ، الوداعی حج، خطبہ اور وصال الٰہی وغیرہ سارے امور و حقائق تاریخ و سیرت کی کتابوں اور احادیث شریفہ کے قیمتی ذخائر میں محفوظ ہیں۔ یہاں تک کہ احادیث کے مدون سرمایوں میں شمائل کا باب ملتا ہے جس میں آپ ﷺ کی عادات و اطوار سے متعلق ایک ایک امر کی کافی و شافی واقفیت ہو جاتی ہے۔

جامع سیرت:

کسی بھی سیرت کے نمونہ عمل ہونے سے متعلق ایک اہم وصف یہ ہے کہ اس کی زندگی میں گروہ انسانی کے ہر ایک فرد کے لیے کافی و شافی ہدایات پائی جاتی ہوں۔ مذہب یا دین داری دو قسم کے حقوق کی ادائیگی سے عبارت ہے، اور وہ ہیں اللہ کے حقوق اور بندوں کے آپس کے حقوق۔ دونوں قسم کے حقوق و فرائض کی اس طرح انجام دہی ہو جس طرح رب العالمین اور معبود حقیقی چاہتا ہے۔ اگر اس معیار پر بھی محبوب کائنات محمد عربی ﷺ کی شخصیت کو دیکھا جائے تو دنیا کی تمام چیدہ اور مقدس ہستیوں میں آپ کا قد بہت اونچا نظر آتا ہے۔

ایک غریب و نادار، دولت مند و خوش حال، بادشاہ و فاتح، رعایا و محکوم، شکست و ہزیمت سے دوچار ہونے والا، استاذ و شاگرد، واعظ و مبلغ، ناسازگاری حالات میں اپنے موقف پر جمار ہنے والا، کاروبار یا کاشت کاری کرنے والا، بچہ، یتیم، جوان، باپ، شوہر اور نانا، غرض کہ بنی نوع انسان کا ہر گروہ نبی کریم ﷺ کی سیرت میں ہر جہت سے قابل تقلید

نمونہ پاتا ہے۔ بلا مبالغہ جامع صفات کی مالک اگر دنیا میں کوئی ذات ہے تو وہ ذات ہے حضور اقدس ﷺ کی ۔ انبیاء کرام طبقۂ انسانی میں نمایاں ترین مقام کی حامل شخصیتیں ہیں، لیکن ان کی شناخت بھی کسی ایک صفت کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ آپ کی سیرت کی جامعیت کا راز اس امر میں پنہاں ہے کہ یہ اعتراف کیا جائے بلکہ یقین کیا جائے کہ آپ کی ذات تمام انبیاء کرام کی مختلف صفتوں کا مجموعہ ہے۔ سیرت طیبہ کی جامعیت سے متعلق سید صاحب کا یہ اقتباس بھی کیا خوب ہے:

> ''حضرت نوحؑ کی زندگی کفر کے خلاف غیض وغضب کا ولولہ پیش کرتی ہے، حضرت ابراہیمؑ کی حیات بت شکنیوں کا منظر دکھاتی ہے، حضرت موسیٰؑ کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم ونسق اور اجتماعی دستور وقوانین کی مثال پیش کرتی ہے، حضرت عیسیٰؑ کی لائف صرف خاکساری، تواضع، عفو و درگذر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے، حضرت سلیمانؑ کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے، حضرت ایوبؑ کی حیات صبر وشکر کا نمونہ ہے، حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت وانابت اور اعتراف کی مثال ہے، حضرت یوسفؑ کی زندگی قید و بند میں دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے، حضرت داؤدؑ کی سیرت گریہ و بکا، حمد وستائش اور دعا و زاری کا صحیفہ ہے، حضرت یعقوبؑ کی زندگی امید، خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوحؑ و ابراہیمؑ، موسیٰؑ وعیسیٰؑ، سلیمانؑ اور داؤدؑ، ایوبؑ اور یونسؑ، یوسفؑ اور یعقوبؑ سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر آ گئی ہیں''۔ ۷۰

کردار سے مزین سیرت:

عالمگیر شخصیت یا کسی نمونۂ عمل وجود کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض اسٹیج کا غازی نہ ہو، بلکہ کردار وعمل کے لحاظ سے اس کی شخصیت جاذب نظر اور ہر ایک کے دل و دماغ میں

اعتراف وستائش کے لحاظ سے جگہ بنالیتی ہو۔ انسان کی سیرت وکردار کے نمونۂ عمل اور قابل تقلید ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ فلسفیانہ افکار وخیالات پیش کر کے خوشنما اور دلکش قوت تکلم کا ہی مظاہرہ نہ کرے، بلکہ عملی زندگی میں انھیں برت کر دکھائے۔ عدل ومساوات کی تعلیمات ہوں یا ایثار وقربانی کی، ایمان وتوکل کی تعلیمات ہوں یا زہد وقناعت، صبر و استقامت اور عزیمت و بہادری کی، اعراض وچشم پوشی کی تعلیمات ہوں یا عفو ودرگذر کی، اللہ رب العزت کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیمات ہوں یا اس کے بندوں کے حقوق کی پاسبانی کی، اپنوں کے ساتھ سلوک و برتاؤ کی بات ہو یا غیروں کے ساتھ، گویا تمام تعلیمات وتلقینات پر محض زبان وقلم گردش میں نہ آئیں بلکہ عمل سے ان کی حقانیت کا ثبوت دیا جائے۔ یہ تمام تعلیمات نبی اکرم ﷺ کی عملی زندگی میں اس معیار پر موجود ہیں کہ دنیا کا کوئی قائد وراہبر اور بڑے سے بڑا انسان یہاں تک کہ کوئی نبی بھی آپ کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے اپنی عملی زندگی کو نبوت کے ثبوت میں پیش کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے سند دے دی کہ بلاشبہ اخلاق کے بلند مرتبے پر آپ متمکن ہیں۔

ایمان وایقان کا دعویٰ تو ہو لیکن عمل نہ ہو تو یہ دعویٰ بے حقیقت اور کھوکھلا ہے۔ دین اسلام قولی یا فکری سے زیادہ عملی مذہب ہے۔ قرآن مجید میں قول وعمل کے تضاد کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی زیادہ ناپسندیدہ اور سنگین حرکت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اے عمل صالح کو ایمان کی دلیل کے طور پر کتاب اللہ میں بے شمار مقامات پر پیش کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان لانے والوں سے تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ایمان لائیں۔ یعنی ایمان کی صداقت کا معیار عمل صالح ہے اور ایمان نہیں ہے تو بڑے بڑے اعمال بھی صحرا کے سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ گویا یہ ایمان اور عمل لازم وملزوم ہیں۔ اسلام قولی سے زیادہ عملی مذہب ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات اس صداقت سے پر ہیں۔ حدیث پاک میں جہاں اسلام کے پانچ ستونوں کا تذکرہ ہے، ان میں پہلا بلاشبہ ایمان و یقین ہے لیکن نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی شکل میں چار دیگر ستونوں کا تعلق عمل سے ہے۔

سیرت طیبہ ﷺ سے متعلق اغیار و اجانب کی شہادتیں:

رسول اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ سے گہری عقیدت اپنوں کا تو عظیم ترین سرمایہ ہے، کیوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اعلان کے بغیر کلمہ طیبہ مکمل ہی نہیں ہوتا، چنانچہ اس اقرار و اعلان کے بغیر ایمان کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کوئی شخص کتاب اللہ پر تو یقین رکھتا ہو لیکن احادیث نبویہ کو بالائے طاق رکھ دیتا ہو تو گویا کتاب اللہ پر ایمان نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی اطاعت الٰہی کا حکم دیا گیا، اطاعت رسول ﷺ کو لازمی طور پر ذکر کیا گیا۔ بلکہ متعدد مقامات پر اطاعت رسول ﷺ کو اطاعت الٰہی اور حب رسول ﷺ کو حب الٰہی کی سند کے طور پر پیش کیا گیا۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے اپنے قریبی لوگ تھے۔ حضرت خدیجہؓ آپ کی پہلی رفیقۂ حیات تھیں، حضرت ابوبکرؓ آپ کے انتہائی عزیز دوست تھے، حضرت علیؓ آپ کے چچازاد بھائی اور حضرت زیدؓ آپ کے خادم تھے۔ ان سبھوں نے مدتوں تک آپ ﷺ کے شب و روز کو دیکھا تھا۔ آپ کے اخلاق سے واقف اور عادات و اطوار سے پوری طرح شناسا تھے۔ ان سب کا آپ کی نبوت پر بلا تردد ایمان لے آنا بہت بڑی بات تھی، اس لیے کہ اگر آپ کی سیرت سے متعلق خلاف شان بات یا حرکت کا وہ مشاہدہ کر چکے ہوتے تو وہ اللہ کے نبی ماننے میں یقیناً تذبذب کے شکار ہوتے، لیکن تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اس کے باوجود ایک شخص کا تاثر یہ ہو سکتا ہے کہ یہ تو اپنے لوگ تھے، اگر ایمان لے آئے تو کیا بڑی بات ہوئی۔ تاریخ و سیرت کے اوراق یہ بتاتے ہیں کہ اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی آپ کے اخلاق و کردار کا لوہا مانا۔ خانۂ کعبہ کی ترمیم کے وقت حجر اسود کو اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھنے کا شرف ہر قبیلہ بڑھ کر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ گتھم گتھا ہو گئے اور تلواریں نیام سے باہر آ گئیں۔ محمد عربی ﷺ کی ذات گرامی ہی تھی جن کی آمد پر مسرت و اطمینان کا اظہار کیا گیا تھا اور امین کہہ کر آپ ﷺ کا استقبال کیا گیا تھا۔ آپ نے جو فیصلہ کیا سب کو منظور ہوا۔ اس طرح آپ ﷺ نے آپس کے خون خرابہ سے بچایا۔ ۲۷

اسی طرح فاصدع بما تومر واعرض عن الجاھلین کی وحی الٰہی کے مطابق آپ ﷺ نے کوہ صفا کی بلندی پر چڑھ کر اہل مکہ کو آواز دی اور سب سے پہلے ان سے پوچھا کہ اگر میں تمھیں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک فوج تم پر یلغار کرنے والی ہے تو کیا تم یقین کرو گے، سب نے بیک زبان یہ کہا تھا کہ آپ ﷺ صادق ہیں، آپ ﷺ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا گیا۔

ابو جہل کا خاندان بنو امیہ اگر چہ سخاوت وغیرہ میں بنو ہاشم سے پیچھے نہیں تھا، لیکن بنو ہاشم کے شرف نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد وہ آتش حسد میں جلنے لگا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں محمد ﷺ کی نبوت کو نہیں مانوں گا اگر چہ وہ سچا ہے اور اس کی تعلیمات اچھی ہیں۔[۴۳]

قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان کی حاضری ہوتی ہے، جو فتح مکہ سے قبل متواتر چھ سال تک دشمنان دین کی فوج کی کمان سنبھالے رہا۔ ایک دشمن اسلام کے دربار میں ایک ایسے دشمن کے اخلاق عالیہ کی شہادت دی جا رہی ہے جو دل کے کسی گوشے میں بھی نظر عنایت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا اور ایک ایسے دشمن کے دربار میں ہے جس کی فوجیں محمد عربی ﷺ اور آپ کے اصحاب کو چشم زدن میں مفتوح بنا سکتی تھیں اور انھیں ہر طرح سے ذلیل و خوار کر سکتی تھیں۔ لیکن تاریخ کی یہ صداقت ہے کہ بند کمرے میں تعصب سے پرے ہو کر ایک دشمن اسلام کے قیصر کے پے در پے سوالات کا بے خوف و خطر جوابات سے محمد ﷺ کی شرافت طبع، خاندانی وجاہت، صدق و پاس عہد اور آپ کی دعوت و تبلیغ کے اہم موضوعات تشت از بام ہو جاتے ہیں۔[۴۴]

مذکورہ بالا شہادتیں تو آپ ﷺ کے معاصرین کی تھیں۔ بعد کے ادوار میں جن دشمنان اسلام نے محمد ﷺ اور قرآن پر اپنی فکر و کاوش کا سرمایہ لٹایا ہے اور معروضی طریقہ مطالعہ سے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی ہے، انھوں نے بھی محمد عربی ﷺ کو دنیا کا سب سے بڑا آدمی قرار دیتے ہوئے خراج عقیدت پیش کی ہے۔ عہد جدید میں علماء یورپ نے اسلام کے خلاف فکری جنگ کا محاذ کھولا ہے اور قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کو دشنام طرازیوں کا نشانہ بنایا ہے۔ لیکن خاصی تعداد ان علماء استشراق کی بھی ہے جنھوں نے

قرآن اور محمد پر تکلم کرتے ہوئے بہت سے امور میں علمی دیانت داری کا ثبوت دیا ہے۔ سیرت طیبہ سے متعلق ذیل میں بطور استشہاد مستشرقین کے چند ملاحظات پیش کیے جاتے ہیں:

انگریزی زبان میں محمد عربی پر لکھی جانے والی کتاب میں سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب جان ڈیون پورٹ کی ہے۔ آغاز کتاب میں وہ لکھتا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحین میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی سوانحی تفصیلات محمد ﷺ سے زیادہ مفصل اور صداقت کے معیار پر اترتی ہوں۔ ۵ے

باسورتھ اسمتھ استشراق کی دنیا میں شہرت کی بلندی پر ہے۔ وہ اپنی کتاب میں رقم کرتا ہے کہ اسلام میں ہر چیز نمایاں اور ممتاز ہے، یہاں اخفاء وابہام نہیں ہے۔ تاریخ سے ہم انحراف نہیں کر سکتے۔ ہم محمد ﷺ کے بارے میں اسی طرح واقف ہیں جس طرح ملٹن اور لیوتھر کے بارے میں۔ من گھڑت قصے، فرضی کہانیاں اور افسانے اور ماوراء عقل واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں مفقود ہیں اور اگر ہیں بھی تو انھیں آسانی سے ممیّز کیا جا سکتا ہے۔ یہاں کوئی شخص خود کو فریب دے سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو فریب زدہ کر سکتا ہے۔ یہاں دن کی روشنی ہے اور تمام معاملات واضح اور مبرہن ہیں۔ ۶ے

ایک مغربی دانشور محمد عربی ﷺ کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ نورانیت کا منبع ہیں، تمام انسانوں میں افضل، پھولوں میں گلاب اور موتیوں میں یاقوت ہیں۔ ۷ے

محمد عربی ﷺ پر نوک قلم کو حرکت دیتے ہوئے عالم استشراق کا ایک معروف قلم کار گویا ہے:

" Muhammad was a man of strong conviction prepared to stand up for his teaching in spite of persecution and difficulty. To say as has been done, that his character deteriorated after he

settled in Madina is due to misunderstanding. There he still taught same message of the one God. Teaching an army and establishing a state did not interfere with his fundamental teaching.۴۸ے

[محمد ﷺ راسخ العقیدہ شخصیت کے مالک تھے، مصائب و مشکلات کے دلدل میں پھنسنے کے باوجود اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو ثابت قدم رکھا، یہ کہنا کہ مدینہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد آپ ﷺ کے اخلاق گرتے چلے گئے، غلط فہمی کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ کی زندگی میں بھی خدائے واحد کے پیغام کو لوگوں کے گوش گزار کیا۔ ایک فوج کی قیادت اور ایک ریاست کی تشکیل ان کی بنیادی تعلیمات میں حارج و دخیل نہیں ہوئیں۔]

قرآن مجید اپنے زمانۂ نزول کے معاشرہ کے لیے بھی شمع ہدایت تھی اور بعد کے ادوار کے لیے بھی اور اس کی بعینہ افادیت تا قیامت برقرار رہے گی۔ قرآن کریم اپنی اصل شکل میں قیامت تک کے لیے محفوظ و مامون ہے جس کی ضمانت قرآن کے مالک نے لے لی ہے۔ چنانچہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں تک اس کلام ربانی کا فیض پہنچتا رہے گا، بشرطیکہ لوگ اس سرچشمہ ہدایت سے فیض حاصل کرنے کے لیے جذبۂ صادق کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کریں۔ قرآن مجید کا باب ہدایت اگر تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے کھلا ہوا ہے تو گویا نبوت محمدی ﷺ کا فیضان بھی عام ہے اور تا قیامت انسانیت اس کی مرہون منت رہے گی۔ اللہ رب العزت کے محبوب ترین فرستادہ محمد ﷺ کی نبوت کی معنویت پر اور اس کے عالمگیر ہونے پر یہ آیت شریفہ بھی ناطق ہے۔

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَنۢ بَلَغَ۔ ۴۹ے

[اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تمھیں اور

جس جس کو یہ پہنچے، سب کو متنبہ کروں۔]

تمام انسان اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ کی نعمت اسلام کی شکل میں اور اس کے منشور قرآن کی شکل میں تمام انسانوں کے لیے ہے، اس لیے کہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور اللہ کی بھیجی ہوئی شریعتوں اور اس کے صحیفوں اور کتابوں میں تغیرات رونما ہو گئے تو اب یہ اللہ کی آخری کتاب ہدایت ہی بنی نوع انسان کے لیے باعث نجات اور وجہ شرف واعزاز رہے گی۔ اور جس ذات پر یہ کتاب اتری ہے اس کی سیرت اس کتاب الٰہی کی تفسیر ہے، گویا آپ ﷺ کی حیات پاک پوری انسانی برادری کے لیے مرجع ہے۔ پوری انسانی برادری کے لیے آپ کے نبی ہونے پر یہ آیت کریمہ حجت ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ۸۰

[اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجیے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔]

غلبۂ دین کا مشن اور عالمگیر مخالفت:

رسول اکرم ﷺ کی عالمگیر نبوت اس جہت سے بھی واضح ہے کہ افکار ونظریات اور ادیان و مذاہب کی کہکشاں میں اس دین کو محض اضافہ کے لیے نہیں بھیجا گیا ہے، بلکہ یہ دین ہی دین حق ہے اور اس کے علاوہ جتنے بھی افکار و مذاہب ہیں سب خود ساختہ اور باطل ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی بعثت صرف عرب کے باطل افکار ونظریات پر اس دین کو غالب کرنے کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے جس خطے میں جو بھی افکار و ادیان پائے جاتے ہوں، سب پر غلبہ وتفوق کے لیے ہوئی ہے۔ دین اسلام کے غلبہ وسیادت سے مقصود یہ ہے کہ باطل افکار ونظریات کے بجائے دین اسلام ہی ان کے معاملات زندگی میں فیصل ہو، تاکہ اس چندروزہ زندگی میں بھی انسان خدا کے عنایت کردہ افضال وعنایات سے بہرہ ور ہو سکے اور اس زندگی کے بعد اصل اور حتمی زندگی کے لیے قیمتی توشۂ راہ فراہم کر سکے۔ رسول اکرم ﷺ کی عالمی نبوت کا اندازہ ان کے مشن بعثت سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔[۱۸]

[وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کردے، خواہ یہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہو۔]

اللہ کا یہ دین عالمگیر ہے۔ چنانچہ اس عالمگیر دین کا عظیم ترین نمائندہ اور خدا کا محبوب ترین فرستادہ بھی عالمگیر ہے جو تمام انحاء عالم میں اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں اس دین کے اثرات ونتائج دیکھنے کا خواہاں ہی نہیں بلکہ بے قرار ومضطرب ہوتا ہے اور یہ فکر اس کو گھلائے دیتی ہے کہ انسان اپنے اصل خالق ومالک اور معبود حقیقی سے دور رہ کر اپنی تباہی وبربادی کا سامان اپنے ہاتھوں کر رہا ہے۔ اس مسلمہ حقیقت سے بھی انحراف کی گنجائش نہیں ہے کہ حق وباطل کی معرکہ آرائی ابتدا سے ہوتی رہی ہے۔ وقت کے نبی کے ساتھ اس کی قوم بالخصوص نبرد آزما رہی اور نبی کو زک پہنچانے اور اس کے مشن کو مجروح کرنے کو مشغلۂ زندگی بنایا۔

پوری دنیا میں نبی ﷺ کی تعلیمات عام ہو رہی ہیں، دین اسلام کے سرفروشوں اور نبی ﷺ کے نام پر مر مٹنے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے نیز مشرق ومغرب کے ہر ناحیے میں لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں، لیکن دوسری طرف پوری دنیا اسلام اور مسلمانوں کی برتری اور بڑھتی ہوئی مقبولیت سے ششدر وحیران اور حراساں وپریشان ہے۔ چونکہ اسلام کو خدائی ضابطۂ زندگی کی حیثیت سے تسلیم کر لینے میں آباؤ اجداد کے دین پر ضرب پڑتی ہے، خود ساختہ اصول وقوانین پامال ہوتے ہیں اور جھوٹی شان وشوکت اور کرسی واقتدار کے زمین بوس ہونے کے خطرات مول لینے پڑتے ہیں، اس لیے باطل کے علمبردار اس کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتے۔ آج باطل کے کیمپ میں کسی بات پر اتحاد اگر ہے تو وہ یہ کہ اسلام مذاہب کی بزم میں ایسے

مذہب کی حیثیت سے سامنے آئے جس میں تمام اہل مذاہب کے افکار و خیالات کو جذب کرنے کی صلاحیت ہو۔ معتدل اسلام (Moderate Islam) کی آواز بلند کرکے در اصل وہ اللہ کے دین کو جذبات و رجحانات اور افکار و خیالات کا معجون ومرکب بنادینا چاہتے ہیں اور اس حقیقی اسلام کو جسے نبی عربی ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو نعمت غیر مترقبہ کے طور پر نوازا گیا، دنیا سے نابود کردینا چاہتے ہیں۔ اغیار و معاندین کے جذبات و خیالات اوران کی منصوبہ بند جدوجہد کی تصویر کشی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔ ۸۲؎

[یہ لوگ اپنے منھ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پھیلا کر رہے گا، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔]

محمد عربی ﷺ کے ذریعہ مکمل شکل میں نعمت عظمیٰ کی عالمی سطح پر قدر افزائی بلکہ بڑھتی ہوئی مقبولیت اور دوسری طرف مادیت اور اقتدار کے پجاریوں اور خود ساختہ قانون اور نظام زندگی کے ٹھیکداروں کی طرف سے محمد عربی ﷺ کو اور آپ کی برپا کی گئی تحریک انسانیت کو مجروح کرنے کی مذموم اور منصوبہ بند سازش محمد رسول اللہ ﷺ کے آفاقی اور عالمگیر ہونے پر بھی ناطق ثبوت ہے۔

فریضۂ نبوت اور شاہان عالم کو تبلیغی خطوط:

اللہ کے محبوب فرستادہ محمد عربی ﷺ کے ذریعہ قلیل مدت میں پورے عرب میں جو انقلاب آیا اور جس کے اثرات پوری دنیا پر محیط ہوئے، تاریخ میں ایسے کسی انقلاب کی مثال نہیں ملتی۔ محمد ﷺ کی نبوت کے عالمگیر ہونے کا ہی یہ مظہر ہے کہ پوری دنیا میں محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا ضابطۂ زندگی عام ہو رہا ہے اور آپ کی سیرت طیبہ کو آئیڈیل اور بے مثل سمجھ کر ہر مذہب کا عالم و دانش وراس پر اپنی قوت گویائی اور اپنے قلم کا زور صرف کر رہا ہے۔ خالق حقیقی اور معبود اصلی خدائے عزوجل نے اپنے نوشتۂ ہدایت میں کم و بیش

سوا چودہ سو سال قبل اپنے محبوب کو خطاب کر کے یہ کہا تھا کہ ہم نے تمام قسم کی خیرات و حسنات سے آپ کو نوازا ہے۔ آپ کا نام اور آپ کا کام زندہ رہے گا اور آپ سے محاذ آرا آپ کے اعداء بے نام و نشان ہو جائیں گے اور آپ کے ذکر کو ہم نے بلند کر دیا ہے۔ خدائے عزوجل کا اپنے محبوب کی بابت یہ اعلان من و عن صحیح ہے۔ نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت آج پوری دنیا میں جاری و ساری ہے۔ مشرق ہو یا مغرب ہر چہار سو آپ کی شریعت کی بہار ہے اور دن بدن اس کے علمبردار بڑھتے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ پوری دنیا میں قرآن مجید اور رسول اللہ کی سیرت موضوع بحث ہے۔ یہ پہلو بھی رسول اللہ کی نبوت کے عالمگیر ہونے اور آپ ﷺ کی سیرت کے آفاقی ہونے پر ثبوت ہے۔

نبوت کے بعد مکے کی تیرہ سالہ زندگی میں آپؐ نے احباب و رفقاء کو نظریہ اور فکر کے لحاظ سے پختہ کیا تاکہ اسلام کے علم بردار فکر اور عقیدہ کے لحاظ سے پختہ ہو کر اسلام کی صحیح نمائندگی کا فریضہ انجام دیں اور دوسری طرف حرص و طمع اور خوف و ہراس کا نشانہ بنے بغیر اس اسلامی حکومت کے قیام و استحکام میں فعالیت کا ثبوت دیں۔ مدینہ کی چھوٹی بستی میں جب اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا تو اسلامی حکومت کے قائد اعظم کی حیثیت سے محمد ﷺ نے چو طرفہ محاذ سنبھالا۔ اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے لیے آپ نے جو حکمت عملی اختیار کی تھی اس کا اہم حصہ یہ تھا کہ سلاطین عالم کو دعوت اسلامی کا ہمنوا اور نقیب بنایا جائے۔ اس اقدام و عمل کی صدائے بازگشت مکی زندگی کے اس دعوتی طریقہ کار میں بھی سنی جا سکتی ہے جس کے مطابق متعدد بار رؤساء قریش کو آپ ﷺ بالخصوص خطاب فرماتے تھے۔

چونکہ اسلام تمام دنیا کے انسانوں کے لیے تھا، اس کا منشور قرآن مجید سب کے لیے رحمت رافت کا سامان تھا اور آپ ﷺ پوری دنیا کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لیے آپ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ یہ مشن کس طرح عرب کی سرحدوں سے نکل کر دنیائے انسانیت تک پہنچے۔ چونکہ مدینے کی زندگی میں فکر و عقیدہ کے لحاظ سے احباب و رفقاء کی

ایک جماعت آپ ﷺ کو میسر ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ سیاسی طور پر بھی بہت حد تک مضبوط ہو چکے تھے اور عرب میں فکر اسلامی نے اپنی گرفت کسی حد تک مضبوط کر لی تھی۔ چونکہ دعوت و تبلیغ اسلام کی شناخت تھی اس لیے مدینے میں بھی منظّم انداز میں آپ نے اس عمل کو جاری و ساری رکھا۔ قبائل عرب میں دعوت کی رفتار کو حکمت عملی کے سہارے بڑھایا، یہود و نصاریٰ بھی دعوت حق کے مرکز توجہ بنے اور کسی بھی حال میں دعوت کا کام رو بہ زوال نہیں ہوا بلکہ بتدریج عرب سے نکل کر عجم کی سرحدوں میں داخل ہوتا رہا۔ آپ نے عالمی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اپنے مقدس مشن کو شاہان عالم کے ذریعہ عام کرنے کی کوشش کی۔ اس میں شبہ نہیں کہ دعوتی اور تبلیغی خطوط کے نتیجے میں بعضوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور بعضوں نے انکار و تردید کا طریقہ اختیار کیا، لیکن اس میں صداقت ہے کہ ان تبلیغی اور دعوتی خطوط کے ذریعہ دنیا میں اسلام کا تعارف ہوا اور یہ حقیقت ہے کہ عہد نبوی دنیا کی سیاسی، دینی اور اقتصادی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کی تاریخ میں دور رس اور اہم نتائج کا حامل بنا رہا۔ ۸۳

جن حکمرانوں اور اہل اقتدار شخصیتوں کو آپ ﷺ نے تبلیغی خطوط بھیجے اور جن قاصدوں کے ذریعہ یہ فریضہ انجام دیا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

یمامہ کے والی ھوذہ بن علی الحنفی کے پاس حضرت سلیط بن عمرو العامی کو۔

بحرین کے والی منذر بن ساویٰ بن الاخنس کے پاس حضرت علاء بن الحضرمی کو۔

والیٔ عمان جیفر بن جلندی ابن عامر اور عبد بن جلندی ابن عامر کے پاس حضرت عمرو بن العاص کو۔

والیٔ دمشق حارث بن ابی شمر کے پاس شجاع بن وہب الاسدی کو۔

شہنشاہ حبش نجاشی اصحم بن ابجر کے پاس حضرت جعفر طیار اور حضرت عمرو بن امیہ الضمری کو۔

حاکم مصر مقوقس کے پاس حضرت حاطب بن ابی بلتعہ القرشی کو۔

شہنشاہ فارس کسریٰ خسرو پرویز ابن ہرمز ابن نوشیرواں کے پاس حضرت عبداللہ

بن حذافہ القرشی کو۔

قیصر روم ہرقل کے پاس حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی کو۔

پاپائے روم صنغا طر الاسقف کے پاس قاصد نا معلوم کو۔ ۸۴

مذکورہ بالا خطوط میں سے بعض خطوط حوالۂ ناظرین کیے جارہے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کتنی حکمت عملی، جرأت مندی اور صفائی کے ساتھ مخاطب کو دعوت دی ہے:

حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس جو خطوط لکھے ان میں ایک یہ ہے:

"بسم الله الرحمن الرحيم

هذا الكتاب من محمد النبي الى النجاشي الأصحم عظيم الحبشة سلام على من اتبع الهدى وآمن بالله ورسوله، وشهد أن لا إله الا الله وحده لاشريك له، لم يتخذ صاحبة ولا ولداً، وان محمداً عبده و رسوله۔

وادعوك بدعاية الله، فانى انا رسوله فأسلم تسلم و "يَاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللَّهِ [فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ] فان أبيت فعليك اثم النصارىٰ من قومك"۔ ۸۵

[(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ یہ کتاب محمد کی طرف سے ہے جو نبی ہیں اس نجاشی الأصحم کے نام جو حبشہ کی عظیم المرتبت شخصیت ہے۔

سلامتی ہو اس پر جو اس ہدایت کی اتباع کرلے اور اللہ پر اور اس

کے رسول پر ایمان لے آئے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ جس نے نہ اپنے لیے بیوی بنایا ہے اور نہ ہی بیٹا اور اس بات کی گواہی دے کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اور میں تم کو اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہوں، کیونکہ میں اس کا پیغامبر ہوں۔ پس اسلام لے آؤ تو تم سلامتی پاؤ گے اور ''اے اہل کتاب ایک کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، وہ یہ کہ 'ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کو چھوڑ کر اپنا رب نہ بنالے' [پس اگر وہ روگردانی کریں، تو تم کہہ دو کہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو سر اطاعت جھکا دینے والے ہیں]۔ اگر تم نے انکار کیا تو تمہاری قوم یعنی نصاریٰ کا گناہ تمہارے سر پر ہوگا۔]

نجاشی پر اس خط کا اثر یہ ہوا کہ اس نے اعتماد اور طمانیت قلب کے ساتھ رسول اللہ کو شایان شان مخاطب کیا اور کہا کہ آپ جو کہتے ہیں وہ سب حق ہے اور وہ ایمان سے شرف یاب ہوگیا۔

شاہ مصر مقوقس کو جو خطوط لکھے تھے ان میں ایک خط کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

''بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله إلىٰ صاحب مصر والاسكندرية

اما بعد: فان الله تعالىٰ ارسلني رسولا، وانزل على قرآناً واقرني بالاعذار والانذار ومقاتلة الكفار حتّى يدينوا بديني ويدخل الناس في ملتي وقد دعوتك الى الاقرار بوحدانية الله تعالى، فان فعلت سعدت وان ابيت شقيت''۔ ۸٦ھ

[(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے حاکم مصر اور اسکندریہ کے نام ہے۔

اما بعد: پس بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر قرآن نازل کیا ہے اور مجھے انصاف کرنے اور ڈرانے اور کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا ہے، یہاں تک کہ وہ میرے دین کے تابع ہو جائیں اور لوگ مری ملت میں داخل ہو جائیں اور میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کی دعوت دی ہے۔ اگر تو نے اقرار کیا تو تم خوش بخت ہو اور اگر انکار کیا تو بد بخت ہو۔]

[امن وسلامتی کا طالب]

اس خط کے جواب میں حاکم مصر نے اپنے علم میں اضافہ کا اعتراف کیا اور رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو اللہ کی طرف بلانے والا بڑا داعی اور سچ بولنے والوں میں بڑا سچا پایا۔ اور اگر میں ایک بڑے ملک کا بادشاہ نہ ہوتا تو میں وہ ایسا شخص ہوتا جو آپ کی دعوت پر پہلے لبیک کہتا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ خاتم الانبیاء، سیدالمرسلین اور امام المتقین ہیں اور ایک خط کے جواب میں یہ بھی مرقوم ہے کہ قبطی قوم کی دو عظیم المرتبت لونڈیاں اور کپڑے آپ کی خدمت میں اس نے بطور ہدیہ روانہ کیا۔

داعیٔ اعظم ﷺ کے ان دونوں خطوط میں چند مشترک باتیں پائی جاتی ہیں جو تا قیامت داعیان حق کے لیے نقوش راہ کا کام کرتی رہیں گی:

(۱) دعوت کا کام اس لحاظ سے مقدس ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور اللہ کے دین کے تابع رہ کر زندگی گزارنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس لیے اللہ رحمان ورحیم کے نام سے اس مقدس مہم کا آغاز کرنا چاہیے تاکہ اس کی تائید ونصرت کا سایہ برقرار رہے۔

(۲) دعوت عوام وخواص سب کے لیے ہے۔ امراء وملوک ہوں یا رعیت اور زیردست،

سب تک یہ پیغام پہنچنا چاہیے، تاہم خواص کی طرف خصوصی التفات و توجہ اس کے خوش آئند، دیرپا اور مؤثر نتائج کے لیے بھی ناگزیر ضرورت ہے۔

(۳) مدعو کو اپنا حریف نہ سمجھ کر اپنا مخاطب بلکہ اپنی عاقبت کا سرمایہ سمجھنا چاہیے اور فوراً اپنا مدعا اور مقصد بتانے سے قبل مشروط دعائیہ الفاظ استعمال کرنا چاہیے جو حکمتِ دعوت کا تقاضا بھی ہے اور داعی کے شائستہ اور مہذب ہونے کا ثبوت بھی اور یہی الفاظ اصل دعوت یا پیغام کو گوش گزار کرنے کی تمہید بھی بن جاتے ہیں۔

(۴) بنیادی عقائد سے دعوت و تبلیغ کا آغاز کرنا چاہیے۔

(۵) داعی اور مدعو کے درمیان جو امور مشترک ہوں، کوشش کرنی چاہیے کہ ان کو اجاگر کیا جائے تاکہ مدعو کو اجنبیت کا احساس نہ ہو اور وہ داعی کے تئیں مثبت فکر کا علم بردار ہو جائے۔ گویا حکمت عملی کو اپنی دعوت کا اثاثہ قرار دیا جائے اور دعوت کے مقدس مشن میں اسے ہمیشہ مستحضر رکھا جائے۔

(۶) داعی اعظم منذر اور مبشر تھے اور داعی امت کے ہر فرد کو اپنا یہ مقام ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ دوٹوک انداز میں نیک کاموں پر تبشیر اور برے کاموں پر انذار و تنبیہ امت کے ہر داعی کا طریقہ ہونا چاہیے، ہاں مدعو کی نفسیات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

چونکہ آپ ﷺ پوری انسانی برادری کے لیے اور قیامت تک کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لیے عرب کی سرحدوں سے باہر رہنے والے لوگ بھی آپ کی دعوت کے مخاطب ہوئے۔ اس حقیقت کو آپ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ عوام کے بالمقابل خواص کو اگر لوازم و مقتضیات کے ساتھ اپنی دعوت کا مخاطب بنایا جائے تو عوام کے اذہان و قلوب آسانی کے ساتھ بدلے جا سکتے ہیں۔ یوں بھی عوام، خواص کے دین و مذہب کے تابع ہوتے ہیں، اس لیے دعوت کے مرحلے میں معاشرے کے بااثر لوگوں پر خاص توجہ دی جائے اور انھیں اپنے مسلک و نظریہ کے قریب لے آیا جائے تو دور رس اثرات و نتائج وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے امراء و ملوک اور حکام و رؤساء کو جو خطوط لکھے

ہیں بین السطور سے دعوت کے وہ کارگر نسخے حاصل کیے جا سکتے ہیں جو عالمگیر دعوت کے شایان شان ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ کی نبوت عالم انسانیت کے لیے تھی اس لیے ایک عالمگیر اور آفاقی داعی کی ساری خصوصیات آپ کے طریقۂ دعوت میں پنہاں ہیں۔

ختم نبوت عالمگیر نبوت پر عظیم الشان دلیل :

مقبول بارگاہ طریقۂ زندگی اسلام کا آخری منشور قرآن مجید ہے، جو آخری رسول حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ نعمت غیر مترقبہ کی شکل میں انسانیت کو ملا۔ یقیناً تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ایمان کے لازمی شرائط میں ہے لیکن تمام انبیاء اپنی اپنی قوم میں ہدایت و راہنمائی کے لیے بھیجے گئے اور کتب وصحائف بھی متعدد زمانوں میں متعدد انبیاء و رسل کو ملے لیکن زمانے کے دست برد سے اللہ کے بھیجے ہوئے یہ نوشتے محفوظ نہ رہ سکے، محمد عربی ﷺ آخری نبی ہیں، قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئے گا اور آپ کو جو کتاب دی گئی ہے وہ تمام قسم کے قطع و برید، حشو وزائد اور حذف و اضافہ سے قیامت تک محفوظ رہے گی، تمام پیغمبروں، کتب مقدسہ اور صحف سماویہ پر اس طور پر ہی ایمان مطلوب ہے۔ اللہ پر ایمان حقیقی معنوں میں ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے اسماء حسنٰی، اس کی صفات و کمالات اور اختیارات پر ایمان نہ لایا جائے۔ اسی طرح محمد عربی ﷺ پر ایمان معتبر اور مستند نہیں ہوسکتا جب تک آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان نہ لایا جائے۔

ختم نبوت پر ایمان انسانیت کے لیے عزت و شرف اور اعزاز و اکرام کا موجب ہے۔ یہ ایمان دراصل اس حقیقت کا اعتراف و اعلان ہے کہ انسانی ذہن وفکر بلوغت کے اس مرحلے میں پہنچ چکا جس میں خدا کے پیغام کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ختم نبوت پر ایمان دراصل خود اعتمادی کا مظہر ہے اور یہ ایمان ایک انسان کو ہدایت کے دیگر مصادر و مراجع، ماضی کی شریعتوں اور محرف کتب وصحائف سے بے نیاز کر کے اللہ کے محبوب ترین رسول ﷺ اور اس کو دیے گئے ضابطۂ زندگی قرآن مجید پر توجہات مرکوز کرنے کا محرک بنتا ہے۔ ختم نبوت پر ایمان ایک رسمی اور خشک مذہبی عمل نہیں ہے بلکہ اس سچائی کا برملا اظہار ہے کہ انسانیت کی نجات و فلاح کا راز اس میں پنہاں ہے کہ وہ رسول اللہ پر

ایمان لائے اور اس کی لائی ہوئی شریعت پر عمل پیرا ہو جائے۔ ۸۷

لسان العرب کے مطابق 'خاتم القوم' قوم کا آخری فرد کہلاتا ہے، اسی طرح 'خاتم النبیین' نبیوں میں آخری نبی کو کہا جاتا ہے۔ ۸۸

امام راغب الاصفہانیؒ کے بقول محمد مصطفیٰ ﷺ کو 'خاتم النبیین' اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا ظہور نبوت کی معراج ہے اور اب ان کی بدولت انبیائی بعثت مبارکہ کا باب بند ہو گیا۔ ۸۹

قرآن پاک کے ایک بڑے مفسر آلوسی 'خاتم النبیین' کی وضاحت میں رقم طراز ہیں کہ خاتم کے معنی مہر کے ہیں جس کے ذریعہ کوئی چیز محفوظ شکل میں بند کر دی جاتی ہے۔ خاتم النبیین کا مطلب ہے ایسی شخصیت جس کی بعثت مبارکہ کے بعد اس سلسلۃ الذہب کا خاتمہ ہو گیا اور یہیں سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام فرستادوں میں محمد عربی ﷺ آخری فرستادہ اور رسول ہیں۔ ۹۰

نبی اکرم ﷺ کے انبیائی بعثت مبارکہ کی آخری کڑی ہونے کا مستند ترین ثبوت اسی نوشتۂ ہدایت سے ملتا ہے جو آپ ﷺ پر نازل کیا گیا۔ کتاب حکیم کی یہ آیت کریمہ ختم نبوت کے عقیدہ پر دلیل ناطق ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ ۹۱

[(لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔]

مذکورہ آیت کریمہ میں بڑی صفائی کے ساتھ خدائے عزوجل نے محمد ﷺ کے رسول ہونے کا اعلان کیا، مزید برآں نبیوں کی آمد کے سلسلے کو ختم کرنے والا قرار دیا، یعنی ان کے بعد کسی رسول کی آمد تو درکنار کوئی نبی بھی نہ آئے گا۔ ۹۲

ہر نبی یا رسول کی بعثت کسی مخصوص قوم میں اور مخصوص جغرافیائی خطے میں ہوئی، وہ پوری انسانی برادری کی اصلاح حال کے لیے نہ ہی مامور تھا اور نہ ہی مکلف۔ اللہ رب

العزت کی جانب سے نازل شدہ صحیفوں اور کتابوں میں بھی کسی نبی یا رسول کی بابت پوری نسل انسانی کے لیے نبی ہونے کا تذکرہ نہیں ملتا، بلکہ جابجا اس کے شواہد ملتے ہیں کہ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے وقت کا نبی کہتا ہے کہ میں تمھاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ ہاں چونکہ آپ ﷺ کی بعثت سے نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اللہ رب العزت نے اس کا خود اعلان فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے ذریعہ مخاطب معاشرہ کو بلکہ قیامت تک اس آخری نوشتۂ ہدایت کے مخاطب کو گوش گزار بھی کرایا کہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت والے خدا کا فرستادہ ہوں اور پوری انسانیت میرے پیغام کی مخاطب ہے۔ ۹۳ اس اعتراف حقیقت سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کی امت آخری امت ہے۔

ختم نبوت کے عقیدہ سے متعلق رسول اکرم ﷺ کی متعدد احادیث واقوال ہیں جو احادیث کے مستند ذخیروں کی زینت ہیں۔ چند احادیث نبویہ کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

آپ ﷺ نے اپنی نبوت کے تعلق سے فرمایا:

اِنَّ مَثَلِیْ وَ مَثَلَ الاَنْبِیَاءِ مِن قَبْلِی کَمَثَلِ رَجلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَہ وَاَجمَلَہ اِلَّا مَوْضِعَ لَبْنَۃٍ مِنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِہٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَہٗ وَیَقُوْلُوْنَ ھَلَّا وُضِعَتْ ھٰذِہٖ اللَّبْنَۃُ، فَاَنَا اللَّبْنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ۔ ۹۴

[میری اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی۔ مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس پر اظہار حیرت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی، پس وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔]

اس تمثیلی انداز گفتگو سے واضح ہے کہ نبوت کی شاندار عمارت جو قائم ہے اور جس کی پہلی اینٹ ابوالانبیاء حضرت آدمؑ تھے تو سب سے آخری اینٹ محمد رسول اللہ کی ذات ہے۔ آپ ﷺ کی آمد کے بعد نبوت کی حسین عمارت کے ایک گوشے میں خالی جگہ آپ کی بعثت مبارکہ سے پوری ہوگئی، گویا نبوت کی خوبصورت عمارت تعمیر ہوچکی اب کسی بھی اینٹ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یعنی آپ کی نبوت آخری نبوت ہے اور قیامت تک اس چشمۂ نبوت سے لوگ سیراب ہوتے رہیں گے۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے تمام انبیاء کے مابین اپنی فضیلت سے لوگوں کو آگاہ کیا:

فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ ، اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِي الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطُهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔ ۹۵

[مجھے چھ باتوں میں انبیاء سابقین پر فضیلت دی گئی ہے (۱) مجھے جامع اور مختصر بات کہنے کا سلیقہ عطا کیا گیا ہے، (۲) مجھے رعب کے ذریعہ سے نصرت و تائید بخشی گئی ہے، (۳) میرے لیے اموال غنائم حلال کردیے گئے ہیں، (۴) میرے لیے پوری زمین کو مسجد بھی بنایا گیا اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی، (۵) مجھے پوری دنیا کے لیے مبعوث کیا گیا، (۶) اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔]

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِي وَلَانَبِيَّ۔ ۹۶

[رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔]

سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے کے تعلق سے آپ ﷺ یہ بھی فرماتے ہیں:

اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہ لَمْ یَبْقِ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃَ یَرَاھَا الْمُسْلِمِ وتُرٰی لہٗ۔ ۹۷

[اے لوگو! نبوت کی کوئی بشارت قیامت تک باقی نہیں رہی، ہاں سچے اور مبارک خواب مسلمان دیکھ سکتا ہے یا اس کو دکھائے جاتے ہیں۔]

انسانوں کی ہدایت کے لیے وحی الٰہی کا آخری ایڈیشن یا مستند ترین ترجمان قرآن مجید ہے، جو محمد عربی ﷺ پر نازل ہوا اور جو قیامت تک من وعن برقرار رہے گا۔ اب کسی کو کسی امر میں اگر کوئی اشارہ ملے گا تو زیادہ سے زیادہ اچھے خواب کی شکل میں جو بہر حال وحی الٰہی کے مساوی اور ہم پلہ نہیں ہیں۔

اللہ و رسول پر ایمان لانے والوں کے لیے یہ امر واقعی باعث شرف وسعادت ہے کہ وہ آخری اور اللہ رب العزت کے محبوب ترین رسول ﷺ کے امتی ہیں۔ یہ بات بھی قابل فخر ہے کہ یہ امت محمدیہ آخری امت ہے اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی امت اس کی طرف منسوب ہوگی۔ اس سلسلے میں ارشاد نبوی بہت واضح ہے:

لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّۃَ بَعْدَ اُمَّتِی۔ ۹۸

[میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں۔]

دنیا کی دیگر مذہبی کتب میں محمد ﷺ اور اس سے ملتے جلتے معزز اور مقدس شخصیت کے تذکرے ملتے ہیں۔ تعصب اور جانب داری کی عینک ہٹا کر دیکھنے والے اور علمی دیانت داری کے ساتھ امور وحقائق پر گویائی کرنے والے حضرات اس صداقت کو حوالۂ ناظرین کرتے ہیں۔ سامی مذاہب کے مقدس نوشتوں میں بالخصوص بائبل کے اندر اس آخری رسول محمد عربی ﷺ کی آمد سے متعلق آج بھی تعلیمات وہدایات موجود ہیں۔

قبل اس کے کہ توراۃ وانجیل کی آیات محمد عربی ﷺ کی بعثت سے متعلق حوالۂ قارئین کی جائیں، قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ کو احاطۂ تحریر میں لانا موقف کی وضاحت میں مضبوط ومستحکم دلیل ثابت ہوگی۔ چند آیات کریمہ اس سلسلے میں ملاحظہ کی جائیں۔

نبی امی کا تذکرہ کتب مقدسہ (تورات وانجیل) میں ہے، یہ آیت کریمہ بطور دلیل دیکھی جائے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوباً عِندَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالإِنْجِيلِ۔ ۹۹

[پس (آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی ﷺ کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔]

توراۃ وانجیل میں آخری نبی کی آمد کا تذکرہ ہے بلکہ بشارت دی گئی ہے۔ قرآن مجید اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے۔ آخری نبی کی بعثت کی بابت حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل سے مخاطب ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ کی یہ شہادت موجود ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ۔ ۱۰۰

[اور یاد کرو عیسیٰ بن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ﷺ ہوگا۔]

رسول اللہ ﷺ کی آمد سے متعلق توراۃ میں جو آیات آئی ہیں ان میں یہ آیات قابل ذکر ہیں:

''خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا ......میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک

نبی برپا کرونگا اوراپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اسے حکم دونگا وہی وہ ان سے کہے گا۔''۱۰۱

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی۔ آپ کی تشریف آوری محمد عربی ﷺ کی بعثت کی نوید تھی۔ متعدد مقامات (۱۰۲) پر حضرت عیسیٰ کی بشارتیں انجیلوں میں موجود ہیں۔ ایک جگہ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں، لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمھیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمھیں یاد دلائے گا''۔۱۰۳

ایک جگہ یہ تعلیم بھی مذکور ہے:

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہےاور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔'' (۱۰۴)

انجیل یوحنا کی یہ آیت بھی آخری نبی محمد عربی ﷺ کی آمد پر دال ہے:

''لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا''۔۱۰۵

قرآن وسنت اور کتب مقدسہ میں ختم رسالت سے متعلق بیان کردہ تعلیمات و تلقینات کے ملاحظہ کے بعد اس اہم مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع بھی اہمیت کا حامل ہے۔ تمام معتبر تاریخی روایات سے یہ بات متفقہ طور پر سامنے آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جن لوگوں نے ان مدعیان نبوت کی تائید کی، ان کے خلاف صحابہ کرام محاذ آراء ہوئے۔ مدعیان نبوت میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ تمام صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق کی قیادت میں جو جنگی کاروائی کی اور اسیران جنگ کے ساتھ جو سلوک و برتاؤ کیا گیا، وہ اس حقیقت پر شاہد عدل ہے۔

قرآن، کتب مقدسہ اور احادیث نبویہ کے ساتھ اجماع صحابہؓ کی روشنی میں ختم نبوت کا عقیدہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، تاہم امت کے ائمہ و مجتہدین اور علماء بارزین کے اقوال بھی اس سلسلے میں قدر و احترام کے حامل نظر آتے ہیں۔ ذیل میں چند معروف علمائے امت کے وہ بیانات وتصریحات قلمبند کی جاتی ہیں جن کی روشنی میں ختم نبوت کے عقیدے کو مضبوطی واستحکام ملتا ہے:

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے زمانے میں ایک شخص مدّعی نبوت ہوا اور اپنے معاصرین و مخاطبین سے موقع طلب کیا کہ وہ اپنی علامات نبوت ان کے سامنے پیش کرے۔ اس پر امامؒ نے فرمایا کہ جو شخص اس سے نبوت کی کوئی علامت چاہے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ فرما چکے ہیں کہ لا نبی بعدی۔ ۱۰۶؎

علامہ ابن جریر طبری مشہور و معروف تاریخ نگار اور عظیم مفسر ہیں۔ آپ نے اپنی تفسیر القرآن میں 'خاتم النبیین' کے الفاظ پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے جو بات کہی ہے وہ یہ کہ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے نبوت کو ختم کر دیا اور اس پر مہر لگادی اور تا قیامت باب نبوت اب کسی کے لیے نہیں کھلے گا۔ ۱۰۷؎

علامہ ابن حزم الاندلسی کے بقول یقیناً نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ دلیل میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ وحی تو صرف نبی کی طرف ہوتی ہے اور اللہ عزوجل محمد عربی ﷺ سے متعلق فرما چکے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔ ۱۰۸؎

امام بغویؒ جو محی السنۃ سے ملقب ہیں، ختم نبوت کے سلسلے میں رقم فرماتے ہیں کہ اللہ نے آپ ﷺ کے ذریعہ نبیوں کے سلسلے کو ختم کر دیا۔ پس آپ انبیاء کے خاتم ہیں اور ابن عباس کا قول ہے کہ اس آیت کریمہ کے تحت یہ فیصلہ صادر فرما دیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ۱۰۹؎

امام زمخشریؒ حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کی بابت یہ صراحت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ پہلے نبی ہو چکے ہوں گے۔ قرب قیامت میں جب ان کا نزول ہوگا تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ شریعت محمدیہ کے ایک متبع اور پیروکار کی حیثیت سے۔ ۱۱۰؎

صاحبؒ الملل والنحل لکھتے ہیں جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا ہے تو اس کے کافر ہونے میں دو آدمیوں کے درمیان بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ۱۱[۱]

علامہ بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ آپ انبیاء میں سب سے آخری نبی ہیں جس نے انبیاء کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا اور جس کے ذریعہ انبیاء کے سلسلے پر مہر کر دی گئی۔ جہاں تک رہی بات حضرت عیسیٰؑ کے نزول کی تو نبی کی حیثیت سے آپ پہلے نازل ہو چکے ہیں۔ آپ کی آمد ثانی نبی عربی ﷺ کے ایک امتی کی حیثیت سے ہوگی۔ ۱۱[۲]

تفسیر خازن میں خاتم النبیین کی وضاحت کے تحت علامہ بغدادی لکھتے ہیں کہ اللہ نے آپ پر نبوت ختم کر دی۔ آپ کے بعد اب نہ ہی کوئی نبوت ہے اور نہ ہی اس منصب جلیل میں کسی کی شرکت روا ہے اور یہ بات خوب اللہ کے علم میں ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ ۱۱[۳]

ابن کثیرؒ اپنی معروف و مقبول تفسیر میں آیت مَاکَانَ مُحَمَّدٌ الی آخر الآیۃ میں لکھتے ہیں کہ پس یہ آیت اس باب میں نص قطعی کا حکم رکھتی ہے کہ نبی ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور نبی کوئی نہیں تو اسی سے استشہاد کیا جاتا ہے کہ رسول تو بدرجۂ اولیٰ نہیں ہے۔ ......حضور ﷺ کے بعد جو شخص بھی نبوت کا مدعی ہو وہ جھوٹا، مفتری، دجّال، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ ۱۱[۴]

تفسیر جلالین میں آیت کے اس ٹکڑے 'وکان اللہ بکل شیئ علیماً' کے تحت علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت اس بات کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور جب حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو آپ ﷺ کی شریعت کے ہی تابع رہیں گے۔ ۱۱[۵]

صاحب الاشباہ والنظائر رقم کرتے ہیں کہ اگر کسی کا عقیدہ یہ نہ ہو کہ محمد ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ اسلام سے خارج ہے، کیونکہ یہ ان حقائق میں سے ہے جن کا جاننا اور ماننا دین کے لوازم و مقتضیات میں سے ہے۔ ۱۱[۶]

ختم نبوت پر عقلی دلائل:

لغت سے ثابت مفہوم، قرآن مجید کی آیات بینات، احادیث نبویہ کی تصریحات، کتب مقدسہ کے بیانات، صحابہ کرام کا اجماع اور علمائے امت کی وضاحتوں کی روشنی میں ختم نبوت کا عقیدہ واضح اور تسلیم شدہ حقیقت کی حیثیت سے منصۂ شہود پر آ جاتا ہے، تاہم اس عقیدہ کے ثبوت و استحکام کے لیے بعض عقلی اور منطقی دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں جن سے ایک عام انسان کو بھی ذہنی اور قلبی طور پر سکون وطمانیت ملتی ہے۔

آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ تک کم و بیش سوالاکھ مقدس ہستیوں کی بعثت، انسانیت کے لیے بلاشبہ سب سے بڑی روحانی نعمت تھی جس سے مختلف زمانوں میں بنی نوع انساں کے مختلف طبقات اور جماعتیں متمتع ہوتی رہیں۔ ختم نبوت دراصل رشد و ہدایت کے باب میں عظیم ترین روحانی نعمت سے فیضیاب ہونا ہی نہیں ہے، بلکہ کمال نعمت کا حصول ہے۔ ختم نبوت کی بابت ایک عالم دین کا یہ تبصرہ بجا اور درست معلوم ہوتا ہے:

> ''نبوت کی برکت کا اقرار کرنے کے بعد ختم نبوت کی برکتوں سے ناواقفیت درحقیقت خود نبوت کی برکتوں سے جہالت کے مترادف ہے۔ نبوت و رسالت منبع برکات و انوار مگر ختم نبوت اس کا اتمام و کمال ہے۔ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو اس کے معنی یہ تھے کہ برکات نبوت کبھی کمال کو نہ پہنچتے اور نوع انسانی کبھی اس کے اعلیٰ مدارج کو نہ پاسکتی۔ اگر عالم دائمی اور ابدی نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے، اگر اس خاکدان کا خاک میں ملنا لابدّی ہے اور قطعاً لابدّی ہے، اگر قیامت کا آنا برحق ہے اور بے شک برحق ہے تو نبوت کا ختم ہونا بھی یقینی، قطعی، لابدی اور ناگزیر ہے''۔[۱۷۱]

فی الحقیقت نبوت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا اہل کوئی ایسا شخص ہو جائے جو عبادت وریاضت میں مشہور ہو اور اعمال صالحہ کی انجام دہی کے لحاظ سے بلندی پر متمکن ہو

اور نہ ہی کوئی ایسی فضیلت و برتری اور انعام واکرام کا نام ہے جو کسی عمل کے صلے میں نوازا جائے۔ یہ ایک عظیم الشان ذمہ داری اور اعلیٰ ترین منصب ہے جس پر خاص ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مامور فرماتا ہے۔ ضرورت پوری ہو جانے کے بعد کسی نبی کی ضرورت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ محمد عربی ﷺ کی عظمت اور آپ ﷺ سے پہلے اور بعد کے احوال کا جائزہ لیا جائے تو ختم نبوت کا عقیدہ پوری طرح معقول اور مدلل شکل میں ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ ختم نبوت کے عقیدہ سے متعلق چند دلائل اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

☆ اگر کسی خطۂ ارض میں کوئی پیغمبر یا رسول نہیں بھیجا گیا ہو اور کسی دوسری قوم میں بھیجے گئے نبی کی دعوت بھی اس خطۂ ارض کے لوگوں تک نہیں پہنچی ہو تو ضرورت متقاضی ہوتی ہے کہ کوئی نبی یا رسول بھیجا جائے۔ اس اصول کے تحت خاتم الانبیاء کی بعثت تک نبیوں کی آمد کا سلسلہ حالات وضروریات کے لحاظ سے جاری رہا جیسا کہ فرمایا گیا:

"لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ"۔ ۱۱۸

(ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہوا ہے۔)

جہاں تک محمد عربی ﷺ کی بعثت مبارکہ کا تعلق ہے، قرآن مجید متعدد مقامات ۱۱۹ پر اس کی صراحت کرتا ہے کہ آپ ﷺ پوری انسانی برادری کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے اور نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہو گیا۔ عقلی طور پر یہ بات سمجھی جانی چاہیے کہ نبی خواہ کسی قوم میں اور جغرافیائی لحاظ سے کسی مخصوص جگہ پر آیا ہو، اگر انسانی ذہن وفکر اور وسائل و ذرائع اتنی ترقی کر گئے ہوں کہ نبی کی دعوت تمام اقوام تک پہنچ سکتی ہے اور پوری انسانی برادری اس سے فیض اٹھا سکتی ہے تو پھر کسی اور نبی کی ضرورت کیونکر باقی رہتی ہے۔

محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت بلاشبہ ایسے حالات میں ہوئی تھی جب کہ ضرورت شدت سے متقاضی تھی اور کوئی نوشتہ ہدایت محفوظ نہیں رہ گیا تھا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ﷺ ایک ایسے دور میں تشریف لائے جب انسانی ذہن وفکر بلوغت کے لحاظ سے آخری مرحلے میں پہنچ رہا تھا اور کسی بھی پیغام کا تمام اقوام عالم میں منتقل ہونا ناممکن نہیں ہو گیا تھا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بقول:

''دنیا کی تمدنی تاریخ بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت سے مسلسل ایسے حالات موجود رہے ہیں کہ آپ ﷺ کی دعوت سب قوموں کو پہنچ سکتی تھی اور ہر وقت پہنچ سکتی ہے۔ اس کے بعد الگ الگ قوموں میں انبیاء کے آنے کی کوئی حاجت باقی نہیں رہی''۔ [۱۲۰]

☆ نبی کی بعثت کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کوئی نبی آ چکا ہو، لیکن اس کی تعلیمات فراموش کی جا چکی ہوں یا ان کے محفوظ و مامون رکھنے کا کوئی معقول انتظام نہ ہوا ہو، جس کی بنا پر صحیح طور پر عمل پیرا ہونے کے امکانات کالعدم ہو جاتے ہوں۔ قرآن مجید کی تعلیمات اس سلسلے میں واضح ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ دیا گیا مستند ترین ہدایت نامہ محفوظ و مامون [۱۲۱] ہے اور آپ کی سیرت کو دنیائے انسانیت کے لیے نمونہ عمل [۱۲۲] بنا دیا گیا ہے۔

نزول قرآن کے زمانے سے ہی قرآن مجید کی کتابت اور اس کی حفاظت کا کام شروع ہو گیا تھا۔ بالآخر خلافت صدیقی میں جنگ یمامہ میں حفاظ کی ایک قابل ذکر تعداد کی شہادت کے دلدوز واقعہ نے قرآن مجید کی باضابطہ جمع و تدوین کے لیے ماحول ہموار کر دیا اور زید بن ثابتؓ کی قیادت میں کتاب وحی کے کارواں نے اس عمل خیر کو بخیر و خوبی انجام دے دیا۔ [۱۲۳] آپ کی سیرت کو محفوظ رکھنے کے لیے اور آپ کی تعلیمات کو تا قیامت انسانوں کے لیے مفید و بارآور بنانے کے لیے اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے فن وجود میں آئے جن کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ کی مستند ترین تعلیمات سے فائدہ اٹھانا آسان تر ہو گیا۔

☆ کسی نبی کی بعثت تیسری شکل میں ناگزیر اس وقت ہوتی ہے جب کہ سابق نبی یا پیغمبر کی تعلیمات مکمل اور جامع نہ ہوں یا وقت کے ابھرتے ہوئے مسائل کا جواب دینے کی صلاحیت ان میں نہ ہو۔ قرآن مجید کی وضاحت ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت پر دین مکمل ہوا اور نعمت عظمیٰ کی تکمیل ہوئی۔ [۱۲۴]

انفرادی، اجتماعی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی، اخلاقی، مادی اور روحانی، گویا تمام شعبہ ہائے زندگی میں قرآن وسنت کی تعلیمات راہنما نقوش ثابت ہوتی ہیں۔ متلاشیٔ حق کو محمد عربی ﷺ کے ذریعہ دیے گئے ضابطۂ زندگی اور آپ ﷺ کی سیرت میں مسائل و مشکلات کی عقدہ کشائی میں کبھی بھی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ قرآن، سنت اور اجماع کے علاوہ قیاس وہ مصدر شریعت ہے جس کے ذریعہ بعثت نبوی ﷺ کے بعد اٹھنے والے ہر اشکال کو رفع کیا گیا، چیلنجز کے جوابات دیے گئے اور کافی وشافی حل پیش کر کے انسانیت کی خیر و فلاح کا کام کیا گیا۔ اور اس کا فیض قیامت تک جاری رہے گا۔

دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ زندگی، اس کا منشور جامع اور سیرت طیبہ کی شکل میں اس کی تفسیر کافی وشافی ہے۔ اجتہاد مصدر شریعت کی حیثیت سے نبی عربی ﷺ کی بعثت کے وقت سے ہی بڑی نعمت تھی اور آج بھی ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کا جواب اس کے ذریعہ دیا جاتا رہے گا۔ محمد عربی ﷺ کے ذریعہ لائی گئی شریعت میں نہ تو نقص ہے اور نہ ہی جمود اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ شریعت آب زلال کا کام کرتی رہے گی اور جویائے حق کے لیے رحمت ثابت ہوگی۔ چنانچہ کسی نبی کی بعثت کی ضرورت کے لیے تیسری شکل بھی باقی نہیں رہی۔

☆ کسی نبی کی بعثت کی ضرورت کے لیے چوتھی شکل یہ ہے کہ ایک نبی کی مدد کے لیے کسی دوسرے نبی کی حاجت ہو۔ کتاب اللہ میں اپنے محبوب ﷺ کی تعریف جگہ جگہ اللہ رب العزت نے فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ سے یہ بات فروتر تھی کہ وہ آپ ﷺ کی مدد کے لیے کوئی اور نبی بھیجتا۔ آپ ﷺ ہمہ وقت اللہ کی تائید ونصرت اور اس کے الطاف وعنایت کے سایے میں تھے۔ اللہ کی عنایت خاصہ، اس کے فرشتوں کی دعائیں اور ایمان والوں کو درود وسلام بھیجنے کی تلقین واضح الفاظ میں قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔ بفرض محال اگر کوئی نبی محمد عربی ﷺ کے عالمگیر مشن کے لیے درکار ہوتا تو آپ ہی کے زمانے میں اس کی بعثت ہوتی اور اگر ایسا نہیں ہوا جس کی ضرورت بھی نہیں تھی، تو یہ بات آپ سے آپ ثابت ہوگئی کہ کسی نبی کی ضرورت کی یہ چوتھی شکل بھی باقی نہ رہی۔

لغوی وضاحتیں، قرآن مجید کی آیات بینات، خود محمد عربی ﷺ کی تصریحات، کتب مقدسہ کی شہادتیں، اجماع صحابہ، علماء امت کی توجیہات اور عقلی دلائل اس صداقت کو تشنۂ توضیح نہیں چھوڑتے کہ رسول اکرم ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ ختم نبوت کا عقیدہ دراصل انسانیت کے کمال ہدایت کا اعتراف ہے۔ یہ عقیدہ انسان کو دوسری تمام پگڈنڈیوں سے منحرف کر کے شاہراہ مستقیم دکھاتا ہے اور ہدایت کے تمام سوتوں سے بے نیاز کرتے ہوئے شریعت اسلامیہ کے چشمۂ صافی سے سیراب کرتا ہے نیز یہ خود اعتمادی و استغناء کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔

خلاصۂ مبحث:

آفرینش کائنات سے ہی اللہ رب العزت اپنے معزز ترین فرستادوں کے ذریعہ انسانیت کی ہدایت کا انتظام فرماتا رہا ہے۔ ابوالبشر اور ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد عربی ﷺ کی آمد تک کم وبیش سوا لاکھ اللہ رب العزت کے نمائندے اس دنیا میں تشریف لائے جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں انسانیت کی ہدایت کا فریضہ انجام دیا۔ سید المرسلین اور امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اسی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ ایسے وقت میں ہوئی ہے جب پوری دنیا شرک و بت پرستی کی لعنتوں میں گرفتار تھی، تمام قسم کی بے حیائیاں عام تھیں، ظلم و جبر اور قتل و غارتگری کے بازار گرم تھے، معاشرے کے پسماندہ طبقات کا وجود منحوس سمجھا جاتا تھا، کمزوروں، بیواؤں، یتیموں اور معاشرے کے دیگر مفلوک الحال افراد کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، گویا انسانیت خدا کی زمین سے عنقا ہوگئی تھی، تہذیب وتمدن کا استاذ اور مربی کہا جانے والا یورپ تاریکیوں میں گم تھا اور وہ تمام قسم کے رذائل وخبائث میں لت پت تھا، وقت کی سوپر پاور طاقتیں روم وایران میں اخلاق واقدار بے معنی ہوگئے تھے اور انسانیت آخری سانسیں لے رہی تھی، ایسے حالات میں محمد عربی ﷺ کا ظہور دنیائے انسانیت کے لیے عظیم ترین احسان کے مصداق ثابت ہوا۔

اسلام چونکہ تمام ہادیان دین اور پیغمبران انسانیت کا مذہب رہا۔ محمد عربی ﷺ اسی نعمت عظمیٰ سے سرفراز کیے گئے۔ آپ کے ذریعہ اکمال دین اور اتمام نعمت ہوا اور بارگاہ رب العزت میں دین اسلام کے ہی شرف قبولیت سے ہمکنار ہونے کی سند اعزاز بخشی گئی۔

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نوازی گئی تمام مادّی نعمتوں پر کسی مخصوص قوم اور ملک کی اجارہ داری نہیں ہے اسی طرح اللہ رب العزت کے ذریعہ عطا کیے گئے ضابطۂ زندگی اسلام پر کسی محدود خطۂ ارض کے افراد اور کسی مخصوص قوم کے لوگوں کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ یہ پوری دنیا کے لیے ہے۔ قرآن مجید وہ آفاقی ضابطۂ زندگی اور اسلام کا آخری منشور ہے جو خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ کو آپ کی نبوت کے سب سے بڑے معجزہ کے طور پر عطا کیا گیا۔ اس نوشتۂ ہدایت سے ہر وہ شخص فیضیاب ہوسکتا ہے جو طلب صادق کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرے، خواہ وہ کسی رنگ ونسل اور کسی بھی علاقہ اور برادری سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی تمام کتب اور صحیفوں میں صرف قرآن مجید کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے مالک نے قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

یہ قرآن اپنے فکر ونظر میں بھی اور اپنے فن وادب میں بھی بے مثل ہے۔ فکر کے لحاظ سے اس کے عدیم المثال ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ عرب کے صحرانشینوں میں اتنا زبردست انقلاب پیدا کردیا جسے دیکھ کر دنیا حیران وپریشان اور ششدر وسراسیمہ ہوگئی اور اپنے ادب میں اس کے یکتائے روزگار ہونے کی اہم دلیل یہ ہے کہ قرآن کی ادبیت کے سامنے زبان وبیان کے ائمہ اور فصاحت وبلاغت کی ثریا پر کمندیں ڈالنے والے ادباء اور کتاب نے اپنے گھٹنے ٹیک دیے اور پے در پے چیلنجز کے باوجود اس جیسی ایک آیت بھی پیش کرنے پر قادر نہ ہوئے اور قیامت تک کے لیے یہ اعلان کردیا گیا کہ سارے جن وانس ایکا کرلیں، سب ایک دوسرے سے مل جائیں اور ایک دوسرے کے لیے دست تعاون کشادہ کرلیں تو بھی اس قرآن جیسی کوئی کاوش منظر عام پر نہیں آسکتی۔

تمام انبیاء ورسل کے بالمقابل انسانیت کے اس محسن اعظم ﷺ پر اللہ رب

العزت کی بے حد وحساب الطاف وعنایات ہیں۔ تمام قسم کے خیرات وحسنات کے نوازے جانے کا اعلان، آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا اعلامیہ، آپ کی اطاعت کو عین اطاعت الٰہی قرار دیا جانا، آپ ﷺ کی محبت کو اللہ کی محبت کا معیار قرار دیا جانا، گم گشتۂ راہ انسانوں کی ہدایت کے حریص ہونے اور اس پر سیمابی کیفیت کا بیان، اللہ رب العزت کی عنایات، فرشتوں کی دعائیں اور ایمان والوں کو درود وسلام کی تلقین اور اخلاق کے انتہائی بلند ترین مرتبے پر متمکن ہونے کی بابت ارشاد خداوندی، یہ سب قرآنی تصریحات، تمام انبیاء و رسل میں رسول اللہ ﷺ کے تفوق و برتری کو واشگاف کرتی ہیں۔ ان اوصاف و خصائص کے ساتھ قیامت تک تمام قسم کے قطع و برید، حذف واضافہ اور حشو وزوائد سے پاک اس نوشتۂ ہدایت میں آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کو پوری انسانیت کے لیے رحمت بتایا جاتا ہے۔

اگر خدا کا دین تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے، اس کا تحریری ضابطہ حیات قیامت تک اپنے انوار کی تجلیوں سے انسانوں کے اذہان وقلوب کو ضیاء پاش کرتا رہے گا تو آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ بھی تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے آب زلال اور نسخۂ شافی کا کام کرتی رہے گی۔

شکوک وشبہات سے بالا کردار یا صفت استناد سے مزین اخلاق، ترسٹھ سالہ زندگی کے روزنامچے کے ہر ورق کا روشن ہونا، نوع انسانی کے تمام افراد کے لیے آپ کی سیرت کا نمونۂ عمل ہونا، کردار کی بلندی پر آپ ﷺ کا جلوہ گر ہونا اور آپ کے اخلاق فاضلہ پر خویش واقارب کے ساتھ ساتھ اغیار واجانب کی شہادت، یہ وہ اوصاف وخصائص ہیں جو محمد عربی ﷺ کی سیرت طیبہ کو عالمگیر بنا دیتے ہیں۔ رسول اللہ کی بعثت کا مقصد دنیا کے ادیان و مذاہب میں ایک اضافہ نہیں تھا بلکہ اس دین کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کر دینا عزیز مقصد اور مقدس مشن تھا۔ اس مشن کے تحت آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی شبانہ روز کوششوں کے نتیجہ میں بلاشبہ اسلام نے عرب کی سرحدوں سے نکل کر باہر کی دنیا میں اپنا مقام منوایا، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اہل باطل صف آرا ہوتے رہے اور بالآخر فتح ونصرت کا پروانہ اہل حق کو ملا۔ آج بھی اگرچہ مشرق ومغرب میں لوگ بڑی تعداد میں حلقہ بگوش

اسلام ہو رہے ہیں۔ تاہم اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے باطل کے کیمپ میں لرزہ طاری ہے۔ اگر آج پوری دنیا کے اہل باطل کسی بات پر متفق ہیں تو اس پر کہ اسلام کی شکل مسخ کردی جائے اور اسے ایسے مذہب کی شکل میں پیش کیا جائے جو سارے ادیان و مذاہب کو قبول کر کے معجون مرکب ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہو۔

آپ ﷺ بعثت کی تیرہ سالہ مکی زندگی کے بعد مدنی زندگی میں دعوت و تبلیغ کے فریضہ کو بڑے پیمانہ پر اور منظّم انداز میں انجام دیتے ہیں۔ عالمگیر فریضہ رسالت کی ادائیگی کا ہی یہ تابندہ اور ناقابل انکار مظہر ہے کہ آپ مکہ کے کفار و مشرکین، مدینہ اور قرب و جوار کے یہود و نصاریٰ اور تمام قبائل عرب کے ساتھ ساتھ ایران، روم، حبشہ، مصر اور دنیا کے دیگر ممالک کے سلاطین و حکام اور اہل حل وعقد کو بھی بڑی جرأت و بے باکی کے ساتھ اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگوں کی طرف سے مثبت جواب ملتا ہے تو بعضوں کی طرف سے منفی، لیکن آپ کی اس عالمگیر دعوت کے نتیجے میں اسلام پوری دنیا میں متعارف ہوا بلکہ اس کا غلغلہ بلند ہوا۔

ختم نبوت کا عقیدہ محمد عربی ﷺ کی عالمی نبوت پر عظیم الشان سند ہے۔ یہ عقیدہ محض خشک مذہبی عقیدہ نہیں ہے، بلکہ اس عقیدہ کے تحت اس صداقت کا اعلان بھی ہوتا ہے کہ ذہن انسانی بلوغت کے مرحلے میں پہنچ گیا ہے۔ اس عقیدے کے ذریعہ انسان نجات و کامیابی کے دیگر سوتوں سے رشتہ منقطع کر کے چشمۂ نبوت محمدی ﷺ سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے اور آپ کے لائے گئے دین اور اس کے منشور قرآن مجید کو ہی سعادت دارین کا منبع قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید کی آیات، احادیث نبویہ، کتب مقدسہ کے بیانات اور علماء کرام کے استشہادات کی روشنی میں یہ عقیدہ روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ اگر دین اسلام قیامت تک کے لیے ہے اور قرآن مجید قیامت تک محفوظ و مامون ہے تو آپ کی سیرت طیبہ بھی قرآن پاک کی تفسیر کی شکل میں قیامت تک محفوظ رہے گی اور انسان خواہ کسی بھی خطۂ ارض کا رہنے والا ہو اور کسی بھی رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہو، وہ اسی دین اسلام، قرآن اور محمد عربی ﷺ سے اپنا رشتہ جوڑ کر کامیابی کی شاہ کلید پا سکتا ہے۔

☆☆☆

حوالے وحواشی:

۱	الاحزاب:۴۰	۲	المائدہ:۳	۳	الشوریٰ:۱۳

۴ مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی: مسئلہ ختم نبوت-علم وعقل کی روشنی میں، ص ۱۷،۱۸، ۱۹۶۳ء، شاہی پریس لکھنؤ

۵	البینۃ:۱-۳	۶	آل عمران:۱۹
۷	آل عمران:۸۵	۸	ابراہیم:۵۲
۹	البقرہ:۲-۵	۱۰	آل عمران:۱۳۸
۱۱	السجدۃ:۲	۱۲	الاسراء:۹
۱۳	النحل:۸۹	۱۴	فصلت:۴۲
۱۵	الحجر:۹	۱۶	القصف:۸

۱۷ The Encyclopaedia of Islam p.95

۱۸ جرجی زیدان: تاریخ التمدن الاسلامی، الجزء الثانی، ص۴۴، ۱۹۳۱ء، دارالہلال

۱۹ احمد حسن الزیات: تاریخ الادب العربي: ص۷۷، چودھواں ایڈیشن، مطبع الرسالۃ، قاہرۃ

۲۰ P.K. Hitti: History of the Arabs, p.127, Ed. VIth, 1950,

۲۱ Goldziher: A Short History of Arabic Literature,p.19

۲۲ John Burton: The Collection of the Quran, p.121-122, 1977, New york

۲۳	البقرہ:۲	۲۴	الانعام:۱۵۵
۲۵	ابراہیم:۱	۲۶	النحل:۴۴
۲۷	آل عمران:۴	۲۸	النحل:۸۹
۲۹	المدثر:۲۴	۳۰	الطّور:۳۰
۳۱	الحجر:۶	۳۲	الانبیاء:۵
۳۳	الانفال:۳۱	۳۴	ھود:۱۳
۳۵	البقرہ:۲۳-۲۴	۳۶	الطّور:۳۳-۳۴

۳۷۔ الاسراء:۸۸ ۳۸۔ المائدہ:۱۱۹، التوبۃ:۱۰۰

۳۹۔ آل عمران:۳۱ ۴۰۔ الاحزاب:۴۵-۴۶

۴۱۔ التوبۃ:۱۲۸ ۴۲۔ البقرہ:۱۲۹

۴۳۔ آل عمران:۱۶۴

۴۴۔ دیکھیے واقعہ افک سے متعلق تفصیلات سورۃ النور، آیت ۱۵ تا ۲۲ اور نکاح زینب سے متعلق تفصیلات سورۃ الاحزاب، آیت ۳۶ تا ۳۸

۴۵۔ الاحزاب:۵۶ ۴۶۔ المائدہ:۶۷

۴۷۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۱۲۴، ۲۰۰۴ء، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی

۴۸۔ القلم:۳-۴ ۴۹۔ الکوثر:۱-۳

۵۰۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۴۹۲، ۴۹۳، طبع چہارم، ۱۹۷۷ء، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی

۵۱۔ الم نشرح:۴ ۵۲۔ التین:۴

۵۳۔ الاسراء:۷۰ ۵۴۔ الجاثیہ:۱۳

۵۵۔ فاطر:۲۴ ۵۶۔ الرعد:۷

۵۷۔ الفرقان:۵۱

۵۸۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۱۴۴

۵۹۔ الشوریٰ:۱۴-۱۵ ۶۰۔ سبا:۲۸

۶۱۔ محمود بن عمر الزمخشری: الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، الجزء الثالث، ص ۵۳۸، دار الکتب العربی، بیروت

۶۲۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۴۵۷

۶۳۔ مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، ج ہفتم، ص ۲۹۳-۲۹۴، ۱۹۸۸ء، دہلی

۶۴۔ الفرقان:۱ ۶۵۔ الزمر:۴۱

۶۶۔ الانبیاء:۱۰۷

۶۷ـ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، الجزء السادس عشر، ص ۴۳۹، ۲۰۱۳ء، دار عالم الکتب، الریاض

۶۸ـ آئیڈیل زندگی کے یہ لوازم ومقتضیات، دیکھیے مولانا سید سلیمان ندوی کی مطبوعہ کتاب خطبات مدراس، ۱۹۸۳ء، مطبع معارف، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، تفصیلات ملاحظہ فرمائیں تیسرا، چوتھا، پانچواں اور چھٹا خطبہ۔

۶۹ـ مولانا سید سلیمان ندوی: خطبات مدراس، ص ۴۳

۷۰ـ مولانا سید سلیمان ندوی: خطبات مدراس، ص ۱۰۳

۷۱ـ الصّف: ۲-۳

۷۲ـ عبدالملک بن ہشام: السیرۃ النبویۃ، الجزء الاول، ص ۱۹۷

۷۳ـ مولانا سید سلیمان ندوی: خطبات مدراس، ص ۸۲

۷۴ـ تفصیلات دیکھیے، مولانا سید سلیمان ندوی: خطبات مدراس، ص ۸۳-۸۴

۷۵ـ Jhon Daven port: Apology for Mhoammad and the Koran, preface 1870, London

۷۶ـ Reverend Bosworth Smith: Mohammad and Mohammadanism, p.15, 1889

۷۷ـ Geoffrey Parrinder: Worship in the World Religions, p. 186, 1961, London

۷۸ـ S.G.F. Brondon: A Dictionary of Comparative Religion p.455, 1970. Great Britain

۷۹ـ الانعام: ۱۹ ۸۰ـ الاعراف: ۱۵۸

۸۱ـ الصّف: ۹، التوبۃ: ۳۳ ۸۲ـ الصّف: ۸

۸۳ـ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، ص ۹، مقدمہ طبع اول، طبع ثالث، ۱۹۶۹ء، دارالارشاد، بیروت

۸۴ـ شاہان عالم، اہل اقتدار اور قاصدین کے اسمائے گرامی ماخوذ ہیں، اردو دائرہ معارف

اسلامیہ، ج۱۹، ص۱۵۱، ۱۹۸۶ء، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۸۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، ص ۷۷

۸۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، ص ۱۰۷-۱۰۸

۸۷۔ شیخ ولی الدین محمد التبریزی: مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص۳۰، کتب خانہ رشدیہ، دہلی

۸۸۔ ابوالقاسم حسین بن محمد بن منظور: لسان العرب، الجزء الخامس عشر، ص ۵۵، الدار المصریۃ للتالیف والترجمۃ

۸۹۔ ابوالقاسم حسین بن محمد راغب الاصفہانی: مفردات القرآن، ص۱۴۲، مطبع المیمنیۃ، مصر

۹۰۔ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود الآلوسی: روح المعانی، الجزء الثانی والعشرون، ص۵۹، ادارۃ الطباعۃ المصفائیۃ، دیوبند

۹۱۔ الاحزاب: ۴۰

۹۲۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، ج۴، ص۱۰۳، ۲۰۰۴ء، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی

۹۳۔ الاعراف: ۱۵۷

۹۴۔ محمد بن اسماعیل البخاری: الجزء الاول، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین، ص۵۰۱، ۱۹۳۲ء، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی

۹۵۔ احمد بن حنبل: مسند احمد، الجزء الثانی، ص۴۱۲

۹۶۔ ابن حنبل: المسند، الجزء الثالث، ص ۲۶۷

۹۷۔ ابن ماجہ القزوینی: سنن ابن ماجہ، ص ۲۸۶-۲۸۷، ابواب تعبیر الرؤیا، ایم بشیر حسن اینڈ سنز، کلکتہ

۹۸۔ ابوبکر احمد البیہقی: السنن الکبریٰ، کتاب الرؤیا

۹۹۔ الاعراف: ۱۵۷

۱۰۰۔ الصف: ۶

۱۰۱۔ کتاب استثناء، باب ۱۸، آیات ۱۵ تا ۱۹

۱۰۲۔ مثلاً ملاحظہ فرمایئے متی باب ۲۱، آیات ۳۳ تا ۴۶، یوحنا، باب ۱، آیات ۱۹ تا ۲۱، یوحنا، باب ۱۵، آیت ۲۶، یوحنا، باب ۱۶، آیات ۸ تا ۱۵ وغیرہ۔

۱۰۳۔ یوحنا، باب ۱۴، آیات: ۱۵ تا ۲۶

۱۰۴۔ یوحنا، باب ۱۴، آیت: ۳۰ ۱۰۵۔ یوحنا، باب ۱۶، آیت: ۷

۱۰۶۔ ابن احمد المکی: مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ، الجزء الاول، ص ۶۱، ۱۳۲۱ھ، حیدر آباد

۱۰۷۔ ابن جریر الطبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، الجزء التاسع عشر، ص ۱۲۱، ۲۰۱۳، دار عالم الکتب

۱۰۸۔ ابن حزم الاندلسی: المحلی، الجزء الاول، ص ۲۶، ۱۳۴۷ھ، مصر

۱۰۹۔ محی السنہ ابن مسعود البغوی: معالم التنزیل، الجزء الثالث، ص ۱۵۸، تفسیر سورۃ الاحزاب: ۴۴

۱۱۰۔ محمود بن عمر الزمخشری: الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، الجزء الثالث، ص ۵۴۴-۵۴۵

۱۱۱۔ ابن حزم الظاہری: الفصل فی الملل والاھواء والنحل، الجزء الثالث، ص ۲۴۹، طبع اول، ۱۳۲۰ھ

۱۱۲۔ ناصر الدین البیضاوی: انوار التنزیل: الجزء الثانی ص ۱۸۲، المطبع الاحمدی، دہلی

۱۱۳۔ علاء الدین البغدادی: تفسیر الخازن، الجزء الخامس ص ۲۶۵، الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۵۵ء، مصر

۱۱۴۔ ابوالفداء اسماعیل بن کثیر: تفسیر ابن کثیر، الجزء الثالث، ص ۴۹۴، الطبعۃ الاولی، ۱۹۸۰ء، دار الفکر

۱۱۵۔ جلال الدین السیوطی: جلالین، ص ۳۵۵، ۱۳۷۶ھ، کلکتہ

۱۱۶۔ ابن نجیم: الاشباہ والنظائر، کتاب السیر، ص ۱۷۹

۱۱۷۔ محمد اسحاق سندیلوی: مسئلہ ختم نبوت علم وعقل کی روشنی میں، ص ۷۰، ۱۹۶۳ء، لکھنؤ

۱۱۸۔ الرعد: ۷

۱۱۹۔ ملاحظہ فرمائیں، الانعام: ۱۹، الاعراف: ۱۵۸، الانبیاء: ۱۰۷، سبا: ۲۸

۱۲۰۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۱۵۲

۱۲۱۔ فصلت: ۴۲ ۱۲۲۔ الاحزاب: ۲۱

۱۲۳۔ جمع وتدوین سے متعلق تفصیلات ملاحظہ فرمائیے، البخاری: الجامع الصحیح، ج ۲، کتاب النبی، ص ۷۴۶

۱۲۴۔ المائدہ: ۳

☆☆☆

باب پنجم

حقوق انسانی کا عالمی منشور خطبۂ حجۃ الوداع

سیرت محمدی ﷺ کی آفاقیت:

افکار ونظریات اور ادیان و مذاہب کی بزم میں اسلام اللہ رب العزت کا وہ عطا فرمودہ طریقۂ حیات اور ضابطۂ زندگی ہے جو جغرافیائی حدود وقیود سے پرے، رنگ و نسل کے امتیاز سے مافوق، دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اللہ رب العزت کی اسی بیش قیمت روحانی نعمت کو مخصوص قوم اور محدود خطہ ارض کے لیے کم وبیش سوا لاکھ انبیاء کرام اپنے اپنے زمانے میں لے کر آتے رہے اور انسانیت کی ہدایت کا عظیم الشان فریضہ انجام دیتے رہے۔ حضرت آدمؑ ہوں یا حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ ہوں یا حضرت موسیٰؑ وعیسیٰؑ، اسی طریقۂ زندگی کے علمبردار رہے[1] اور اسی طریقہ زندگی کا درس انسانیت کو دیا۔ رشد وہدایت کے مقدس اور مبارک سلسلے کی آخری کڑی نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کے ذریعہ اس نعمت عظمی کی تکمیل ہوئی[2] اور بارگاہِ ب العزت میں دین اسلام کے ہی شرف قبولیت سے ہمکنار ہونے کا اعلان فرما دیا گیا۔[3]

قیامت تک کے لیے حذف واضافہ سے پاک اور غیر مبدل ومحرف کتاب قرآن مجید کا خاتم الانبیاء ﷺ پر نزول، تاریخ کی روشن ترین صداقت اور دنیائے انسانیت کا وہ عظیم ترین واقعہ ہے جس نے تئیس سال کی قلیل مدت میں فکر وخیال کے دھاراؤں کا رخ موڑ دیا، صدیوں سے تمام قسم کی خباثتوں اور رذالتوں میں ملوث اور وحشت ودرندگی کی خوگر قوم کو جینے کا سلیقہ سکھایا، انسانیت، محبت اور سیادت وقیادت کے ایسے زریں اسباق سکھائے کہ وہ قوم دنیائے انسانیت کے لیے قابل رشک اور لائق تقلید بن گئی۔ یہ کتاب سراپا ہدایت[4]، رحمت[5]، شفا[6] تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والی[7] اور تمام معاملات زندگی میں راست روی[8] کی نقیب وپاسباں ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ پر اس کتاب کا نزول اس صداقت پر بین دلیل ہے کہ قیامت تک اب رب العالمین کی طرف سے نہ ہی کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی نوشتۂ ہدایت آئے گا، اس لیے اس کتاب کے پوری انسانی برادری کے لیے ضابطۂ زندگی اور اس کے عظیم المرتبت حامل محبوب خدا، سید المرسلین ﷺ کے پوری دنیائے انسانیت کے لیے ہادی ومرشد ہونے کی بات ناقابل

تردید حقیقت بن جاتی ہے۔ قرآن مجید جب پوری انسانی برادری کے لیے ہے[9] تو اس میں بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت پاک بھی یا آپ ﷺ کی تعلیمات بھی پوری انسانی برادری کے لیے ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ کی اطاعت کا بتکرار حکم کیا جانا[10] رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو اللہ کی محبت کی دلیل قرار دیا جانا[11]، وحیٔ الٰہی کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی گویائی کا اعلان[12] اور اخلاق حسنہ کی انتہائی بلندی پر آپ کے متمکن ہونے کا اعلامیہ[13]، آپ ﷺ پر اللہ رب العزت کی مخصوص عنایت والتفات کا اظہار[14] آپ کی انتہائی موقر ومحترم شخصیت کے قانون ساز ہونے کی بندگان خدا کو تعلیم وتذکیر[15] اور ساری دنیا کے لیے آپ کے سراپا رحمت[16] اور معارف الٰہیہ کے شارح اور مفسر ہونے کی سند[17]، یہ سارے حقائق اس امر کو تشنۂ وضاحت نہیں چھوڑتے کہ آپ ﷺ کی شخصیت عالمگیر کتاب ہدایت کی تفسیر ہے اور ہر اس شخص کے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے جو اللہ کی رضا اور آخرت کی فوز وفلاح کا امیدوار ہو۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيراً[18]

[بالیقین تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔]

حقوق انسانی کی عظمت:

آج پوری دنیا میں حقوق انسانی کا موضوع دلچسپ اور مرکز توجہ بنا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں ہفتہ اور عشرہ تقریبات منائی جارہی ہیں، مقالات اور کتب منظر عام پر آرہے ہیں، سمینار اور سمپوزیم منعقد کیے جارہے ہیں۔ علاقائی، ضلعی، صوبائی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر پرجوش مذاکرات ہورہے ہیں، لیکن سچ تو یہ ہے کہ حقوق انسانی کے پرچم تلے پامالیٔ حقوق کے المناک اور دلدوز مظاہر سامنے آرہے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہر

فرد اور ہر گروہ، ہر قوم اور ہر ملک اپنے حقوق کی بازیافت کے لیے تو کوشاں اور سرگرم عمل ہے، لیکن دوسروں کے تئیں اپنے فرائض کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک خطہ دوسرے خطہ پر، ایک قوم دوسری قوم پر، ایک مذہب دوسرے مذہب پر اور ایک ملک دوسرے ملک پر جارحانہ اقدامات اور غاصبانہ کارروائیوں کو طرۂ امتیاز قرار دیتا ہے اور نتیجہ یوں سامنے آتا ہے کہ 'مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'۔

خالق کائنات کے سلسلے میں صاف وشفاف تصور رکھنا اور خالق ومخلوق کے رشتے کو عبد ومعبود کے رشتے سے تعبیر کرنا، دنیا کے تمام انسانوں کو ایک ہی ماں باپ کی اولاد قرار دیا جانا اور اس بنا پر عالمگیر اخوت ومحبت کے رشتے سے تمام بنی نوع انسان کو منسلک کر دینا، اس دنیائے فانی اور یہاں کی زوال پذیر لذتوں کے بعد ابدی اور لافانی دنیا اور وہاں کی دائمی لذتوں کے تصور کو فروغ دینا، زندگی کو امانت سمجھتے ہوئے زندگی دینے والے کے سامنے جوابدہی کا احساس وشعور پیدا کرنا، ہر فرد بشر اور ہر گروہ انسانی کی عزت وناموس کی حفاظت اور اس کی جان ومال کی حرمت کی تعلیمات گوش گزار کرنا اور معاشرۂ انسانی کے اہم ترین عنصر، خواتین کی عظمت اور ان کے حقوق ومراعات کی نگہداشت کا علم اٹھانا، یہ وہ بین اور درخشاں تعلیمات ہیں جن کو کما حقہ جامۂ عمل پہنا دیا جائے تو یقینی طور پر انسانی معاشرہ ہمدردی ومحبت، عدل وانصاف، اخوت و بھائی چارگی، امن وآشتی اور خیر وفلاح کا نقیب وعلمبردار بن جائے گا اور انفرادی واجتماعی طور پر انسان ایک دوسرے کی عظمت ورفعت کا پاسباں بن جائے گا۔

تمام انسان اللہ کے خاندان کے لوگ ہیں۔[19] اللہ سے محبت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے محبت کی جائے اور ان کے ساتھ رحمت ورافت، عدل ومساوات اور ہمدردی وغمگساری کا معاملہ کیا جائے۔ بندوں کا حق ہے کہ ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے۔ سارے بندگان خدا ایک دوسرے کے کسی نہ کسی حد تک حسن سلوک اور محبت کے محتاج ہیں۔ اسی طرح سارے بندگان خدا پر کسی نہ کسی حد تک فرائض ہیں اور ان کی ادائیگی کے بغیر وہ اللہ کی بارگاہ میں بری الذمہ قرار نہیں دیئے جاسکتے۔

حقوق العباد کے تلف کرنے یا حقوق انسانی کی پامالی پر جس سنگین صورت حال سے ایک شخص کو سابقہ پڑے گا، اس کی تصویر کشی سرور کونین ﷺ کے ان الفاظ سے ہوتی ہے:

قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ انّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وزَكٰوةٍ وَيَاتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذا وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَم هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطَىٰ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِه فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُه قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَاعَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيه ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ[20]

[رسول اکرم ﷺ نے دریافت کیا کہ لوگو! جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہمارے درمیان مفلس وہ ہے جس کے پاس مال و درہم نہیں ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس دراصل وہ ہے جو روز قیامت نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ اس حال میں آیا ہو کہ اس نے کسی کو گالی دی ہو، کسی پر بہتان لگایا ہو، کسی کا مال اور کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا ہو، پس جن جن پر ظلم ہوا ہو گا ان کے پلڑے میں اس ظالم (جو نمازی، روزہ دار اور صاحب زکوٰۃ تھا) کی نیکیاں ڈال دی جائیں گی۔ اگر مظلومین کے حساب چکائے جانے سے قبل ظالم کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو اب مظلوموں کی خطائیں (ظلم کے بقدر) اس ظالم کے پلڑے میں ڈال دی جائیں گی، یہاں تک کہ اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا]

آج پوری دنیا میں انسانی حقوق کی بحالی کی جو بھی تحریکیں چل رہی ہیں یا اس سے متعلق جو مساعی انجام دی جا رہی ہیں، بلاشک و تردد لائق ستائش اور قابل مبارک باد

ہیں۔لیکن ہر چہار جانب حقوق انسانی کے تحفظ کی گونج کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنے حقوق کے تئیں تو بہت چاق وچوبند ہے اور اس کی یافت میں سرگرمیٔ علم کا خوب سے خوب تر مظاہرہ کرتا ہے لیکن اپنے فرائض وواجبات کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے متعلق یکسر غافل وکوتاہ رہتا ہے۔

اس کائنات کا شاہکار (Masterpiece) انسان ہے اور کائنات کے مالک حقیقی کا دیا گیا محفوظ ومامون اور آفاقی ضابطۂ زندگی (Universal Code of Life) قرآن مجید کا موضوع بھی انسان ہے۔قرآن مجید کی ساری تعلیمات انسانوں کو حقوق و فرائض کا علمبردار وپاسباں بنا کر اس سعادت وکامرانی کی ضمانت دیتی ہیں جو دنیا کی فانی و تغیر پذیر لذتوں اور آسائشوں اور موت کے بعد کی زندگی کی ابدی اور لازوال راحتوں اور مسرتوں کو محیط ہے۔خاتم الانبیاء رسول عربی ﷺ چونکہ رہتی دنیا تک کے لیے آفاقی اور عالمگیر کتاب کے حامل وترجمان ہیں[۲۱]، بلکہ قرآن مجید کی عملی تفسیر ہیں، آپ ﷺ کی ذات گرامی موجودات عالم کے لیے رحمت ہے۔[۲۲] آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ ملک ووطن اور قوم و نسل سے پرے قیامت تک کے انسانی برادری کے لیے ہے، اس لیے آپ کی تعلیمات بھی آفاقی ہیں اور بلاشک وتردد جغرافیائی حدود وقیود سے بالا اور رنگ ونسل کے امتیاز سے مافوق انسانی برادری کا ہر شخص وگروہ ان تعلیمات نبوی ﷺ کا مخاطب ہے۔یوں بھی اس کی تعبیر کی جاسکتی ہے کہ تعلیمات نبوی ﷺ کا فیض انسانی برادری کے ہر طبقہ، ہر گروہ اور ہر مسلک کے لیے ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کی ذات کی عظمت کا راز اسی میں مضمر ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کی ذات سے عقیدت کا حق صرف کلمۂ طیبہ کے بول بول کر حلقۂ اسلام میں شامل ہونے والوں کو ہے۔اللہ رب العزت کی محبت کا دعویٰ اس صداقت سے آشکار ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول سے محبت ہو۔[۲۳] اور یہ بھی سچ ہے کہ رسول ﷺ سے جس کو محبت ہوگی، آپ ﷺ کے گفتار و کردار اور آپ کے طریقہ سے بھی لازماً محبت ہوگی، جبھی حقیقی معنوں میں محبوبیت الٰہی کی سند سے سرفرازی حاصل ہوگی۔

سرورِ کونین ﷺ کا عالمگیر خطبہ:

یوں تو سرورِ کونین اور خاتم الانبیاء ﷺ کی تریسٹھ سالہ حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک روزنامچہ اتنا صاف وشفاف اور روشن وتاباں ہے کہ اس پر دوست اور دشمن دونوں طرف سے انگشت نمائی بعید از قیاس ہے۔ اگر کوئی فرد یا معاشرہ صحیح معنوں میں ان روزناچوں کے مشتملات کو اپنی زندگی کا لائحۂ عمل بنالے تو وہ صبر وقناعت، امن وعافیت اور انسانیت نوازی وبشر دوستی کی نعمتوں سے مالا مال ہو کر اس فانی اور زوال پذیر زندگی کو بھی خوشگوار بنالے اور آخرت کی سرمدی کامیابی کی کلید بھی اس کے ہاتھ آجائے۔

دس ہجری کا حج رسالت مآب ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا جو حجۃ الوداع سے موسوم ہے۔ عرفات کے میدان میں فدایانِ اسلام اور آپ کے معزز رفقاء کی تعداد کم و بیش سوا لاکھ تھی۔ اس میں جو خطبہ دیا تھا اس کے مباحث ومشتملات تاریخی، ہمہ گیر اور آفاقی ہیں اور جو حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے، جس میں عدل وانصاف کا ہر پیامی، اخوت ومساوات کا ہر علمبردار، انسانی عظمت ورفعت کا ہر نقیب اور حقوقِ انسانی کا ہر مداح وپاسباں معاشرہ انسانی کو امن وعافیت کا گہوارہ بنانے کے لیے وافر مواد پاتا ہے، بشرطیکہ وہ مفروضات وتحفظات (Suppositions and Reservations) سے قطع نظر اور تعصب وجانب داری کی عینک اتار پھینک کر حقائق ومعارف سے آگہی حاصل کرنے کا متمنی اور خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ کے دیئے گئے نقوشِ راہ کے مطابق سعی و عمل کا خواہاں وخوگر بن جائے۔ ذیل میں خطبۂ حجۃ الوداع کی چند دفعات حوالۂ قارئین کی جاتی ہیں:

امانت کی ادائیگی کی تلقین:

آج معاشرۂ انسانی جن مختلف برائیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، ان میں نقضِ عہد کی خباثت عام ہے۔ معاشرہ چاہے ایمان سے شرفیاب ہونے والوں کا ہو یا ایمان و ایقان کی نعمت سے محروم افراد اور طبقہ انسانی کا، انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر، ہر

زاویے سے کم وبیش ہر فرد و جماعت اس مرض کے چنگل میں ہے۔ اس برائی کا مرتکب یا اس مرض کا گرفتار شخص صرف اپنی ذات پر ہی اثر نہیں چھوڑتا بلکہ اعزہ واقرباء اور اغیار و اجانب بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے قربت ومحبت کے بجائے بغض و نفرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی امانتوں کی عدم ادائیگی اور اس قسم کے طرزِ عمل پر اصرار کرنے کے نتیجے میں آپسی تعلقات مجروح ہوتے ہیں اور مخالفت ومخاصمت سے بڑھ کر ایک دوسرے کی ہلاکت وبربادی کے کریہہ اور دلدوز واقعات بھی مشاہدے میں آتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر امانتوں کی حفاظت کی جائے اور امانت صاحب امانت تک پہنچ جائے تو ایک دوسرے کی چیزوں کی حفاظت بھی ہوتی ہے، تعلقات میں بھی خوشگواری پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے پر اعتماد بڑھتا ہے اور ماحول ومعاشرہ خوشگوار حالات سے ہمکنار ہوتا ہے۔ کتاب الٰہی میں امانتوں کی ادائیگی سے متعلق یہ فرمان واضح ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَامُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا [۲۴]

[یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔]

دینداری دو قسم کے حقوق کی ادائیگی سے عبارت ہے، ایک کو حقوق اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرے کو حقوق العباد سے۔ دوسرے قسم کے حقوق کو عصر حاضر میں حقوق انسانی (Human Rights) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اللہ پر ایمان خالص، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے علاوہ تلاوت کلام پاک اور وظائف واوراد کا اہتمام وغیرہ حقوق اللہ میں ہیں۔ کتاب اللہ کی تعلیمات اس سلسلے میں بہت واضح ہیں کہ اللہ رب العزت مستغنی وبے نیاز ہے اور ساری دنیا اس کی نیاز مند ہے اور دنیا کے تمام شاہ وگدا اسی ذات واحد کے محتاج اور بھکاری ہیں۔ چنانچہ ذات باری تعالیٰ سے متعلق حقوق کی ادائیگی میں اگر تقصیر ہوگئی ہے تو اس کی صفت استغناء اور شان رحمانیت سے امید کی جاتی ہے کہ اس قسم کی کوتاہیوں پر وہ خط عفو پھیر دے گا۔ اس کے برعکس اللہ کے بندوں کے حقوق سے غفلت وبے اعتنائی اور کمی وکوتاہی بہت ہی سنگین بن جاتی ہے۔ اللہ کے

بندے خواہ والدین کی شکل میں ہوں یا بھائی بہن اور اعزہ و اقارب کی شکل میں، احباب و رفقاء ہوں یا اغیار و اجانب، ایمان و ایقان کی نعمت غیر مترقبہ سے بہرہ ور حضرات ہوں یا کفر و شرک کی آلائشوں میں ملوث افراد، طبقۂ انسانی کے یہ تمام افراد ایک دوسرے کے تیئں حقوق و فرائض رکھتے ہیں۔ ان کے حقوق کے تیئں فرائض و واجبات کی ادائیگی میں اگر کوتاہی ہوئی اور اسی دنیا میں اگر تلافیٔ مافات نہیں ہوئی تو قرآن و سنت کی تعلیمات اس سلسلے میں بہت واضح ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے متعلق سارے حقوق کی ادائیگی کے باوجود یوم الجزاء (The Day of Judgment) میں اس کی خستہ حالی اور دیوالیہ پن قابل دیدنی ہوگی۔

خاتم الانبیاء ﷺ وحی الٰہی کے ترجمان ہیں۔ آپ ﷺ کے فرمودات اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی کی سند ہیں، اس لیے کہ آپ ہوائے نفس سے تکلم نہیں فرماتے[25] اور آپ کی اتباع میں خالق دو جہاں اور رب العالمین کی خوشنودی کا راز مضمر ہے۔ حیات طیبہ کی تیئس سالہ مدت میں عرب و عجم میں دین اسلام کے غلبہ و تمکنت کا جو پرچم آپ نے لہرایا تھا اور تاحین حیات بنی نوع انساں کی رشد و ہدایت اور ان کی کامیابی و کامرانی کے تیئں جس فکر و اضمحلال اور اضطراب و بے چینی کا سراپا مجسم بنے ہوئے تھے، آپ کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ الوداعی حج کے موقع پر آپ انسانیت کو اپنے فرمودات کی شکل میں الٰہی ضابطہ حیات کی تفسیر و تذکیر نہ فرماتے:

آپ ﷺ نے امانتوں کی ادائیگی سے متعلق فرمان باری تعالیٰ کی تذکیر کرائی اور رَحمةٌ لِلعالمین کی حیثیت سے ساری دنیا کے اس نمائندہ اجتماع اسلامی کو جو پیغام دیا تھا، اس میں ایک بہت جامع تعلیم یہ تھی:

فَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا اِلٰى مَنْ ائْتَمَنَه عَلَيْهَا[26]

[پس جس کے پاس کوئی امانت ہو، اسے چاہیے کہ صاحب امانت تک اسے پہنچادے۔]

امانت سے مراد ایک تو وہ امانت ہے جو مال و اسباب اور زر و زمین کی شکل

میں ایک دوسرے کے حوالے کی جاتی ہے۔ اس شکل میں امانت کی حفاظت سے مراد یہ ہوگی کہ اس کی تاحد امکان حفاظت کی جائے، اس میں قطع و برید اور حذف و اضافہ روا نہ رکھا جائے، اپنے جان و مال کی طرح اس کی حفاظت کی جائے اور اس کی وقت پر ادائیگی میں لیت و لعل اور قیل وقال سے کام نہ لیا جائے اور نہ ہی کوئی عذر لنگ (Lame Excuse) پیش کیا جائے۔

امانت کے اس جامع لفظ میں یہ مفہوم شامل ہے کہ انسان کا مال، جان، وقت اور ساری نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں، انسان ان کا مالک نہیں ہے۔ یہ بیش بہا نعمتیں جس منعم حقیقی نے عنایت کی ہیں اسے پوچھنے کا بلاشک وریب حق حاصل ہے۔ اسی لیے تو فرمایا۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ[۲۷]

[پھر تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔]

انہی نعمتوں کی بابت رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس آخری خطبہ سے پہلے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ زندگی کو موت سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو مرض سے پہلے، فرصت کو مشغولیت سے پہلے اور غنا کو فقر سے پہلے غنیمت جانو۔[۲۸] اسی طرح ایک موقع پر آپ کا ارشاد تھا کہ ہر بندے سے پوری زندگی، جوانی، دولت کمانے، دولت خرچ کرنے اور علم کے مطابق عمل کرنے کے بارے میں یقینی طور پر پرسش ہوگی۔[۲۹] گویا اس پہلو سے امانت کی ادائیگی کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان امانتوں کا استعمال اللہ کی مرضی کے مطابق ہوا یا نہیں، کیوں کہ یہ بات معروف ہے کہ امین مالک نہیں ہوتا بلکہ مالک کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔

تیسرا اور مہتم بالشان مفہوم یہ ہے کہ جان، مال، وقت، جوانی اور فرصت وغیرہ یہ سب مادی اور زوال پذیر نعمتیں ہیں۔ سب سے بڑی نعمت تو وہ نعمت ہے جو آدمی کو انسان بنا دے یا دوسرے الفاظ میں اس نعمت کی تعبیر یوں کی جا سکتی ہے کہ جو انسان کو انسانیت کی معراج تک پہنچا دے۔ اللہ رب العزت کی عطا کردہ نعمتوں میں دین و

مذہب سب سے اعلیٰ وافضل اور مستحکم وپائیدار نعمت ہے۔ مذہب اسلام کو اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کا شرف حاصل ہے۔ اس کے علاوہ جتنے ادیان ومذاہب ہیں، وہ یا تو انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں یا پوری انسانی برادری کے لیے منتخب کیے گئے مذہب میں حذف واضافہ اور تغیر وتبدل کا شکار رہیں۔ دنیا میں بشمول دیگر کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کے خالق ومالک نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہو۔ واحد قرآن مجید وہ کتاب الٰہی ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ رب العزت نے لیا[۳۰] اور ساڑھے چودہ سو سالہ اس چیلنج کو ایک حرف اور ایک نقطے کی بھی تبدیلی سے پامال نہیں کیا جا سکا۔ اسی کتاب میں اسلام کے مکمل اور خالق کائنات کے پسندیدہ دین ہونے کا اعلان ہوتا ہے۔[۳۱] اسی کتاب الٰہی اور عالمگیر ضابطۂ زندگی میں یہ اعلان بھی ہے کہ یہی دین وطریقۂ زندگی حضرت آدمؑ کا بھی تھا، حضرت نوحؑ کا بھی تھا اور یہی طریقۂ حیات حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی دیا گیا تھا اور سب کو اسی کے عام کرنے بلکہ قائم کرنے کی وصیت کی گئی تھی۔

اس سیاق وسباق میں امانتوں کو صاحب امانت تک پہنچانے کے اس پیغام نبوی ﷺ کی حقیقت یوں آشکار ہوتی ہے کہ اسلام اہل اسلام کے لیے اللہ رب العزت کی طرف سے امانت عظمیٰ ہے اور یہ کہ مسلمان اس دین ومذہب کے وارث اور مالک نہیں ہیں۔ یہ اسلام پوری دنیا کے لیے ہے، جس کی جابجا وضاحت اس کے مستند ترین منشور قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ چنانچہ کلمۂ طیبہ کے انقلابی بول کے ذریعہ حلقہ اسلام میں شامل ہونے والے افراد اور جماعتوں کی حیثیت اللہ رب العزت کے اس دین حنیف کے امینوں کی ہے، اور یہ امانت ان بندگان خدا تک پہنچائی جائے گی جو اس کی دانستہ یا نادانستہ ناقدری کر رہے ہیں یا جو کسی وجہ سے بھی اللہ کے دین کی قبولیت اور اس کی عظیم ترین روحانی نعمت سے محروم ہیں۔ امین ہونے کی حیثیت سے یہ ذمہ داری امت مسلمہ کے ہر ہر فرد پر ہے، اس لیے کہ اس دین حنیف سے جڑنے اور اس عظیم ترین نعمت سے شرفیاب ہونے کے بعد حیثیت واستعداد کے مطابق ہر فرد امت کو پوری انسانی برادری کی نفع رسانی کے لیے فکر مند بنایا جاتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شکل میں

اس فرضِ منصبی سے عہدہ برآ ہونے کی تلقین کی جاتی ہے۔[۴۲]

مال و جان اور عزت و ناموس کی حفاظت کی تعلیم:

انسانوں کے مال، جان اور عزت کا احترام دنیا کے اہم ترین مسائل میں ہے۔ آج انسانی جان کی حرمت ختم ہوچکی ہے، اس کی عزت سے کھلواڑ کیا جارہا ہے، اس کی دولت پر غاصبانہ حملے ہورہے ہیں، دہشت گردی کے انسداد کے پرچم تلے بڑے پیمانے پر دہشت گردی کی جارہی ہے، جمہوریت کی بحالی کے سبز باغ دکھا کر لاکھوں انسانوں کی جانیں لی جارہی ہیں، انسانوں کی عزتوں کا سودا کیا جارہا ہے اور ان کے مالوں کو ہڑپ کیا جارہا ہے۔ ایسے حالات میں پوری دنیا کو بالعموم اور مخالفین اسلام کو بالخصوص مذہب اسلام کی اس درخشاں اور انسانیت نواز تعلیم پر دعوت فکر وعمل دی جاتی ہے کہ ایک انسان کا خون ناحق ساری انسانیت کے قتل کے برابر ہے۔ اسی طرح ایک انسان کو بچالینا یا اس کی زندگی کا سبب بنتا ساری انسانیت کو زندگی دینے کے مترادف ہے[۴۳]۔ اسی طرح عزتوں کی پامالی کی بات ہو یا مال و جائیداد پر ناحق قبضہ کا معاملہ، اس سلسلے میں اسلام کی روشن تعلیم قابل ملاحظہ ہے کہ اسلام کسی قسم کے ظلم کو برداشت نہیں کرتا اور ظالم کے ظلم کو شہ نہیں دیتا۔ عزت و عفت کی پامالی اور مال و جان کی بے حرمتی کے اس تناظر میں آخری حج کے موقع پر رسالت مآب ﷺ کا یہ فرمان انسانی حقوق کی ایک اہم دفعہ کے طور پر احادیث کے مجموعوں اور تاریخ و سیر کے صفحات کی زینت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

إِنَّ أَموَالَكُم وَدِمَاءَكُم وأَعرَاضَكُم عَلَيكُم حَرامٌ كَحُرمَةِ يَومِكُمْ هذَا فِي بَلَدِكُمْ هذا فِي شَهرِكُمْ هذا۔[۴۴]

[پس یقیناً تمہارے مال، تمہارے خون اور تمہاری عزتیں تم میں سے ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہیں، جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینے میں ہے]

اگر موت کے بعد کی زندگی کے سلسلے میں استحضار ہو اور اپنے خالق حقیقی کے

سامنے اپنے اعمال وافعال کی جوابدہی کا یقین ہو تو بلاشبہ انسان اس دنیا میں ذمہ دار اور جوابدہ کی حیثیت سے اپنی زندگی گزارے۔ جس طرح امتحان ہال میں ایک ایک منٹ کا حساب ایک لائق اور ذمہ دار طالب علم رکھتا ہے اسی طرح اگر دنیا کے اس امتحان ہال میں اسی کیفیت کے ساتھ انسان زندگی گزارے تو تقصیرات اور خطائیں تو ہوسکتی ہیں لیکن ان پر جرأت وڈھٹائی کا مظاہرہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ایک انسان دوسرے انسان کے تئیں درپۂ آزار ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ موت کے بعد کی زندگی میں ایک طرف خالق و مالک کے سامنے اسے جوابدہ ہونے کا احساس وشعور مہمیز کرتا ہے اور دوسری طرف وہ اس دارالعمل یا دارالامتحان سے گزر کر اصل فوز وفلاح کی منزل سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے۔ حقوق انسانی کے اسی پہلو پر آپ ﷺ کے اس تاریخی خطبہ کی یہ عبارتیں شاہد عدل ہیں:

> اَلَا لَاتَرْجِعُوا بَعْدِي ضَلَالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْئَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ [۳۵]
>
> [سنو! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔]

عدل ومساوات کا سبق:

آج کا انسان رنگ ونسل، علاقہ وبرادری اور مسلک ومکتبۂ فکر کے حصار میں اس طرح مقید ہے کہ قابلیت واستعداد اور سیرت وکردار کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے۔ اور انسان جو مذہب اسلام کے مستند ترین ضابطۂ زندگی قرآن مجید کے مطابق عالمگیر برادری کے رشتے سے منسلک تھا، وہ جغرافیائی حدود وقیود اور رنگ ونسل کے فروق و امتیازات کا اسیر بن گیا ہے، چنانچہ وہ اسی نہج سے اپنے معاملات ومسائل کی عقدہ کشائی کے لیے متحرک اور سرگرم عمل رہتا ہے۔ بلاشبہ علم وسائنس کی دنیا میں تو آج کا انسان حذق ومہارت اور صلاحیت واستعداد کا علم بردار بن رہا ہے، لیکن اس ظاہری اور مادی زاویۂ نگاہ کی بنا پر وہ اپنے آپ کو اپنے خالق کا محبوب نہیں بنا سکتا اور سچ تو یہ ہے کہ ان تباہ

کن امتیازات کو مٹایا نہیں جاسکتا جو پوری دنیا کو ایک توانا عفریت کی شکل میں اپنے خونخوار چنگل میں لیے ہوئے ہیں۔ آج کی جدید جاہلیت میں انہی جغرافیائی حد بندیوں، خطہ اور علاقہ کی بندشوں اور برادری ومسلک کے بے جا حصار نے نفرت وعداوت، بغض و حسد اور کینہ وکدروت کے مسموم جذبات واحساسات کو شہہ دیا ہے جن کے تلخ نتائج ضلعی، صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی طور پر تصادم وآویزش کی شکل میں دعوت فکر دیتے ہیں۔ نزاکت حالات اور سنگینیٔ وقت کا تقاضا ہے کہ بھائی چارگی کے اس آفاقی رشتے کو مضبوط و مستحکم کیا جائے جو پوری دنیا کے تمام انسانوں کو ایک ہی ماں باپ کی اولاد قرار دیتا ہے اوران کے ساتھ اسی حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے جو مادی اور خونی رشتے کے بھائی بہنوں میں مطلوب ومقصود ہے۔ انتشار وتشتت، نفرت وعداوت، بغض وحسد اور تمام قسم کے اخلاقی رذائل میں ملوث انسانی برادری کے لیے رسول اکرم ﷺ کے الوداعی خطبہ کے یہ الفاظ مژدۂ جانفزا ہیں:

أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى[۴۳]

[اے لوگو! سنو، تم لوگوں کا رب ایک ہے اور تم لوگوں کا باپ ایک ہے۔ سنو، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر (یہ فضیلت) تقویٰ کی بنیاد پر ہوگی۔]

جدید دور میں ہر جگہ وصف واستعداد اور لیاقت وصلاحیت کے راگ الاپے جارہے ہیں اور اس کو معیار مطلوب بنا کر کسی شعبہ، ادارہ، تحریک اور ملک کو ترقی کے گام پر لانے کی سعی مسلسل کی جارہی ہے، چاہے عملی طور پر اس مطلوب ومقصود اثاثہ سے

انحراف کی بنا پر نتیجہ خیر اور خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہو رہا ہو۔ اگر انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد سمجھتے ہوئے رشتۂ اخوت کو مضبوط و مستحکم کر لیا جائے اور جغرافیائی، نسلی اور گروہی امتیازات کو کالعدم قرار دیتے ہوئے خشیت الٰہی یا خوف خدا کو اصل معیارِ زندگی قرار دے کر[۳۷] انسانوں کے درمیان خط امتیاز قائم کیا جائے اور خوف خدا کے اس خدائی قانون کی پاسداری کو تعصّبات اور مفروضات سے پرے ہو کر لائحۂ عمل قرار دے لیا جائے تو بعید نہیں کہ صوبوں، قوموں اور ملکوں کے درمیان نفرت وعداوت کی سلگتی ہوئی بھٹیاں سرد پڑ جائیں، انسان اپنے آپ کو ایک ماں باپ کی اولاد سمجھتے ہوئے شیر وشکر ہو کر ملک وقوم کی ترقی کا خواہاں وخوگر ہو جائے اور پوری دنیا میں امن وعافیت اور سلامتی و محبت کا نقیب وعلمبردار بن کر اس دنیا کو جنت نشاں بنا دے۔

تقویٰ اور خوف خدا سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث شریفہ بالخصوص حجۃ الوداع کے موقع پر بطور وصیت زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ پوری دنیا کے انسانوں کو مخاطب بناتے ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ اگر انسان کا دل اپنے حقیقی خالق کی خشیت یا خوف خدا کا نشیمن بن جائے تو خواہ شب تاریک کی تنہائی ہو یا روشن دن کی ہماہمی اور اژدحام عام، بند کمرہ یا کوٹھری ہو یا کھلا میدان اور وسیع وعریض شاہراہ، دن کی روشنی ہو یا رات کی تاریکی، آبادی ہو یا ویرانہ، ہر جگہ ایسا فرد اپنے خالق ومالک کی مرضی کا تابع ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے حکومت کا کوئی قانون، پولیس کا کوئی ڈنڈا، معاشرے کی کوئی روایت، احباب ورفقاء کی رو رعایت اور اغیار واجانب کا خوف وخطر، یہ ساری چیزیں انسان کو محدود وقت میں مخصوص مقامات پر تو برائیوں سے روک سکتی ہیں لیکن ہمہ وقت برائیوں سے نبرد آزما ہونے اور ان کے خلاف محاذ آرائی کرنے کا سلیقہ خوف خدا کی شکل میں خدا کا قانون ہی سکھاتا ہے،[۳۸] اس لیے کہ یہ قانون جسم پر حکمرانی نہیں کرتا بلکہ مزاج، طبیعت اور دل پر حکمرانی کرتا ہے۔ اسی لیے انسان کو یہ اندر سے بدل دیتا ہے اور حقیقی معنوں میں برائیوں سے گریزاں ومجتنب اور اچھائیوں کا داعی وشیدائی بنا دیتا ہے۔

انسانوں کے مابین فضیلت وبرتری اسی قانون کی پاسداری کی بنا پر ہے۔

انسانوں کے مابین مساوات اور فضیلت کے باب میں قرآن وسنت کا موقف بہت واضح ہے۔ اقتصادیات یا دیگر معاملات زندگی کے مثبت یا منفی، اچھے یا برے اور خوب یا خوب تر نتائج اپنے اعمال وافعال کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ یہ معقول، صحت مند اور فرد و جماعت کے لیے امید افزا بلکہ حیات آفریں اصول ہے جس کی جگہ جگہ قرآن وسنت میں وضاحت کی گئی ہے۔[۳۹] کمیونزم یا اشتراکیت کا یہ نظریہ کہ روٹی، کپڑا اور مکان سب کو برابر ملنا چاہیے، غیر عقلی، غیر فطری اور غیر صحت مند نظریہ ہے جو فرد اور جماعت کو کام چور، کسی ادارہ یا شعبہ کو جامد و معطل اور کسی بھی ملک کی ترقی وخوشحالی کو مشکوک ومشتبہ بلکہ غیر یقینی بنا دیتا ہے۔ اسلام اس بات کا قائل ہے کہ اس عالم اسباب میں اسباب سبھی کو اختیار کرنا ہے اور جو جتنا اسباب و وسائل اختیار کرے اسی کے لحاظ سے اسے نتیجہ یا ثمر ملے، یہ فطری اور عقلی بات ہے۔ ہاں اگر کوئی مفلس، مجبور اور فاقہ کش ہے تو اس کی مجبوری کو ختم کیا جائے گا اور اس کے لیے یکساں اسباب اور مواقع فراہم کیے جائیں گے۔ لیکن سب کے نتائج یکساں برآمد ہوں، اس نظریہ کو اسلام غیر عقلی، غیر فطری بلکہ کسی بھی گھر، شعبہ، ادارہ یا ملک کی ترقی کے مخالف اور مزاحم قرار دیتا ہے۔[۴۰]

جس طرح جسم کے نظام کو فعالیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے خود انسانی جسم کے اعضا و جوارح بڑے چھوٹے ہوتے ہیں نیز ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں بڑی چھوٹی ہوتی ہیں۔ اسی طرح کسی شعبہ یا تعلیم گاہ کا نظام قائم رکھنے کے لیے بڑے چھوٹے ملازمین ہوتے ہیں اور کسی ملک کے معیاری ہونے کے لیے اور ملک کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن رکھنے کے لیے چھوٹے بڑے اور عوام وخواص سبھی کی موجودگی ضروری ہوتی ہے اور سبھی کا اپنے اپنے میدان میں منفرد رول ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانی برادری میں اگر کوئی نتیجہ عمل کے لحاظ سے چھوٹا ہے اور کوئی بڑا، کوئی کامیاب ہے تو کوئی ناکام، کوئی خوشحال ہے تو کوئی بدحال، کسی کے رزق میں کشادگی ہے تو کسی کے رزق میں تنگی، اسی متنوع اور متضاد شکلوں میں ہی کائنات کا نظام چل سکتا تھا ورنہ زمین فساد سے بھر جاتی[۴۱] اور ہر چہار جانب الامان الحفیظ کی صدائیں گونج رہی ہوتیں۔

انتہا پسندی اور افراط وتفریط سے گریز کا درس:

انتہا پسندی یا افراط وتفریط کسی مخصوص مسلک و مذہب اور فکر نظر سے قطع نظر، عقل عام اور ادنیٰ شعور رکھنے والے افراد و اشخاص کے نزدیک بھی معیوب و مذموم طریقہ عمل ہے۔ ایک طالب علم کا سال بھر اوباشوں کی سی زندگی گزارنا اور امتحان کے زمانے میں انہماک وتوجہ کا اس طرح مجسم بن جانا کہ کھانا پینا، حوائج وضروریات اور آرام و راحت کو بالائے طاق رکھ دے، طالب علم کے لیے محنت ومشقت کا مطلوب طریقہ عمل نہیں ہے۔ ایک کاشتکار جتائی، بوائی اور نرائی کے زمانے میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہو اور عین فصل کی تیاری کے وقت بایں طور متحرک وفعال رہتا ہو کہ وہ کھانے پینے اور دیگر ضروری کام کرنے سے بھی گریزاں و مجتنب ہو، یہ روش بہر حال قابل ستائش نہیں ہے۔ اسی طرح ایک تاجر و کاروباری ہفتوں اور مہینوں اپنی پونجی تک سے غافل رہتا ہو اور کساد بازاری کے زمانے میں انتہائی سعی وکاوش کا نذرانہ پیش کرتا ہو، یہ طرز ادا ایک کامیاب وبامراد تاجر کے شایان شان نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح دین و مذہب کے معاملات میں افراط وتفریط درست نہیں ہے۔ مذہب کے کسی حکم کو بالکل نظر انداز کر دینا اور کسی کو مطلوب ومقصود کی حد سے بڑھا کر بیان کرنا اور عملی لحاظ سے اس کو وہ اہمیت دینا جس کا وہ مستحق نہیں ہے، یہ دین کے معاملہ میں غلو ہے۔ اہل کتاب کا غلو یہ تھا کہ ایک طرف وہ اللہ کے نبی کو نبی ماننے سے گریز کر رہے تھے اور اس کی شان میں نازیبا کلمات کہنے اور انسانیت سوز حرکتیں کرنے سے بھی متذبذب اور پشیماں نہ ہوتے تھے تو دوسری طرف وقت کے مصلح اعظم اور نبی کو خدا کا بیٹا کہنے سے بھی باک محسوس نہیں کرتے تھے۔

نبی اسرائیل قرآن مجید میں دونوں پہلوؤں سے اقوام عالم کے مقابلے میں نمونۂ عبرت ہے۔ ایک پہلو تو بڑا قابل رشک یہ ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ یہ قوم جب اللہ کی ہوکر رہی اور اللہ کے رسولوں کی تعلیمات پر عمل پیرا رہی تو نوازشوں کی بارش ہوئی، من وسلویٰ نازل ہوا، بادلوں کا سایہ کردیا گیا اور ایک پتھر سے بارہ بارہ چشمے جاری کردیئے گئے، گویا کہ پوری دنیا کے لوگوں کے مقابلے میں فضیلت وبرتری کا تاج ان

کے سروں پر رکھا گیا۔ اور ایک زمانہ وہ تھا جب اللہ کے احکام کی پامالی کو اس قوم نے اپنی فطرت ثانیہ بنالیا اور انبیاء و رسل کے خلاف گھناؤنے کاموں کو شیوۂ حیات بنالیا تو ان کے ضال و مغضوب ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔[۴۲] دین میں افراط و تفریط اور حد اعتدال سے گزرنے کا انجام اللہ کے غیض و غضب کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ ماضی کی تباہ شدہ قوموں کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ اس گھناؤنے جرم میں ملوث تھیں۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کے واسطے سے امت مسلمہ کو اس مہلک مرض سے نجات پانے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ[۴۳]

[اے نبی! کہہ دیجیے، اے اہل کتاب، اپنے دین کے معاملے میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔]

امت مسلمہ کو اہل کتاب کی روش بد سے اجتناب کی تلقین ایک جگہ یوں کی جاتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ... وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[۴۴]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو ......اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے خود ان کو ان کے وجود سے بھلوادیا۔ وہ لوگ فاسق تھے۔]

الوداعی حج کے موقع پر فرزندان اسلام کو آپ وصیت فرما رہے تھے تو قوموں کے عروج و اقبال اور غلبہ و اقتدار کے رموز اور ان کے زوال و ادبار اور تنزلی و انحطاط کے اسباب کو کیوں کر فراموش کرتے۔ یہاں فرزندان توحید براہ راست مخاطب تھے، لیکن یہ

بات صرف فرزندان توحید کے لیے نہیں تھی بلکہ اقوام وملل کے لیے عام تھی۔ چوں کہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی اور نئی شریعت نہیں آنے والی تھی، اس لیے زندگی کے اس اہم ترین موقع پر آپ نے جو جامع تعلیم فرمائی تھی، اس کے مقدس بول یہ تھے:

اِیَّاکُمْ وَالْغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ فَاِنَّمَا اَھْلَكَ قَبْلَکُمُ الْغُلُوُّفِی الدِّیْنِ[۴۵]

[خبردار! دین میں تم لوگ غلو سے بچنا، اس لیے کہ تم سے پہلے کے لوگوں کو اسی غلو فی الدین نے ہلاک و برباد کیا تھا۔]

اللہ ایک ہے، وہ اپنی ذات میں، اپنی صفات میں اور اپنے اختیارات میں اکیلا ہے،[۴۶] وہی حاضر وناظر[۴۷] اور عالم الغیب ہے،[۴۸] وہی غالب وقاہر اور ہر چیز پر قادر ہے[۴۹] اور نفع ونقصان کا مالک وہی ہے۔ پوری دنیا مل کر اگر کسی کو نفع پہنچانا چاہے اور اللہ کی مرضی نہ ہو تو پوری دنیا مل کر کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتی، اسی طرح اگر پوری دنیا مل کر کسی کو نقصان پہنچانا چاہے اور اللہ رب العزت کی یہ منشا نہ ہو تو پوری دنیا کی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔[۵۰] محمد عربی ﷺ اللہ کے آخری اور محبوب ترین رسول ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع میں ہی اللہ کی رضا وخوشنودی کا راز مضمر ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت گویا اللہ کی اطاعت ہے، اس لیے کہ اللہ کا رسول ﷺ اپنی خواہشات سے نطق وگویائی نہیں کرتا۔

ان قرآنی حقائق کے باوجود آج قرآن وسنت کی علمبردار امت خیموں میں بٹی نظر آتی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ دین کے معاملے میں غلو نے امت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا ہے۔ یہ امت جو امت مسلمہ تھی اور دین وعقیدہ کے لحاظ سے امت واحدۃ کے لبادے میں ملبوس تھی، آج مختلف مسالک اور مکاتب فکر میں منقسم ہے۔ ایک دوسرے کے کیمپ میں اتنی شدت اور انتہا پسندی ہے کہ ایک دوسرے کا وجود ناقابل برداشت ہورہا ہے۔ کہیں اس بنیاد پر اختلاف ہے کہ امت کا ایک گروہ عظمت رسول ﷺ کے عقیدہ میں اس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ اس نے خالق ومخلوق کی صفات کو بالائے طاق

رکھ دیا اور دونوں کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا۔ یقیناً عظمت رسول ﷺ کا کوئی اگر منکر ہے تو وہ مسلمان نہیں ہے اور اللہ پر ایمان کا دعویٰ باطل ہے، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے مقام و مرتبہ کو یکساں قرار دینا، گویا عابد و معبود اور خالق و مخلوق کے فرق و امتیاز کو ختم کر دینا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیتوں کی روشنی میں[۵۱] یہ عقیدہ صحت و اعتدال کی میزان پر نہیں اترتا۔ اس عقیدے کے علمبردار ایک صف میں نظر آتے ہیں تو دوسری صف میں وہ حضرات ہیں جو اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ اتباع رسول ﷺ کو قرار دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک خوشنودئ رب کا پروانہ حاصل ہی نہیں ہو سکتا جب تک رسول اللہ کی اطاعت اور ان کے طریقۂ زندگی کا اتباع نہ ہو۔ اس مکتبۂ فکر میں رسول اللہ ﷺ جسمانی ساخت اور حوائج و ضروریات کے اعتبار سے ہمارے ہی جیسے عام انسانوں کی طرح تھے، ہاں آپ ﷺ اللہ رب العزت کی وحی سے شرفیاب تھے[۵۲] نیز آپ سردار انبیاء اور خاتم النبیین تھے۔[۵۳] اہل ایمان کا یہ گروہ ان حقائق کا قائل و مداح ہے کہ آپ ﷺ اخلاق فاضلہ کی انتہائی بلندیوں پر تھے[۵۴] اور محبت الٰہی کی سند آپ کے طریقہ پر چل کر ہی مل سکتی ہے۔[۵۵]

آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ پر اللہ رب العزت بھی جگہ جگہ اپنی کتاب عزیز میں نعت گو ہے اور اس کے کارخانۂ قدرت کا انتظام و انصرام کرنے والے فرشتے درود بھیجتے رہتے ہیں اور اس عمل مبارک کی تلقین ایمان لانے والوں سے بھی کی جاتی ہے۔[۵۶] ہر اس شخص کے لیے جو اللہ رب العزت سے ملنے کا امیدوار اور یوم آخرت کا متمنی ہو، آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اسوۂ عمل اور نمونۂ زندگی ہے،[۵۷] یہ سارے حقائق و معارف قرآن مجید سے ہی مترشح ہوتے ہیں اور صداقت تو اس امر میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی عظمت وشان ان الٰہی حقائق کے اعتراف میں مضمر ہے۔ اگرچہ یہ صحت مند اور قرآن و سنت کے شایان شان عقیدہ ہے، تاہم رسول اکرم ﷺ سے متعلق ایمان و عقیدہ کے اس ڈگر پر چلنے والا گروہ اول الذکر گروہ امت سے منفرد سمجھا جاتا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو حدیث اور سنت کا منکر ہوتے ہوئے قرآن مجید سے ہی اپنے تعلق خاطر کا دعویدار ہے اور اہل قرآن

سے اپنے آپ کو موسوم کرتا ہے تو ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو احادیث نبویہ کو ہی قولاً اور عملاً مستند ترین ماخذ سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اہل حدیث سے ملقب کرتا ہے، یہ طبقہ بہت حد تک قرآنی تعلیمات سے استشہاد سے بے نیازی برتتا ہے۔

اسلامیان عالم کے درمیان افراط وتفریط اور حد سے انحراف وتجاوز کی شکلیں یقینی طور پر دین اسلام کے حقیقی چہرے پر بدنما داغ اور ملت اسلامیہ کے لیے چیلنج ہیں، جس کی بنا پر اسلام کی شبیہ ملکی اور عالمی سطح پر خراب ہوتی ہے اور یہ عملی طور پر بندگان خدا کو دین حنیف سے برگشتہ کرنے کی سعیٔ نامشکور بن جاتی ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں غلو اور انتہا پسندی کا بھی مہلک اور خطرناک مرض ہے۔ آج پورا عالم انتہا پسندی، شدت اور حد اعتدال سے تجاوز کو مذموم سمجھتا ہے اور صحیح معنوں میں اس مرض کے ساتھ دینی اور دنیوی دونوں پہلوؤں سے زندگی پرآشوب اور پُرخطر بن جاتی ہے۔ ایسے حالات میں اللہ رب العزت کی سب سے بڑی امانت اسلام کے علمبرداروں کے لیے بالخصوص اور تمام دنیائے انسانیت کے لیے بالعموم دین ومذہب میں غلو وانتہا پسندی سے اجتناب کی وصیت معنی خیز اور مثبت وخوشگوار اثرات ونتائج پیدا کرنے کی ضامن ہے۔

حقوق نسواں کی ادائیگی پر زور:

آج حقوق نسواں کی بات بڑے زور وشور سے کی جارہی ہے۔ پوری دنیا میں منظّم انداز میں اس کی حریت وآزادی کو مسئلہ بنا کر بڑے پیمانے پر پیش کیا جارہا ہے۔ اسلام کے مطابق عورت اور مرد دونوں کا مقام مسلم ہے، ان میں سے کوئی کسی سے فروتر نہیں ہے اور دونوں کو دنیوی اور اخروی سعادت وکامرانی کے حصول کا حق حاصل ہے۔ ہاں دونوں کے دائرہ کار الگ الگ ہیں اور ذمہ داریاں مختلف ہیں۔ عورت اگر گھر کی ملکہ، اپنے بچوں کی کل وقتی مربیہ (Full-time Patron) اور گھر کے اس کارخانہ کی اصل ذمہ دار ہے تو مرد باہر کی دنیا کا سفیر، اقتصادی امور کا ذمہ دار اور تمام خارجی معاملات کا نگراں ہے۔ اپنی فطرت اور اپنی صلاحیت کے مطابق یہ دونوں شریک یا ساجھی دار اگر ذمہ داریاں انجام دیں تو مثبت اور موثر نتائج سامنے آئیں گے، بصورتِ دیگر فطرت

سے انحراف اور اپنی صلاحیتوں کے بے جا استعمال سے دونوں کی شخصیت مجروح ہوگی اور خوش آئند ثمرات ونتائج کی توقع بے معنی اور بے سود ہوگی۔

اسلام عورت کی عزت عصمت کا محافظ ہے۔ چنانچہ یہ اس کا اصل میدان کار گھر کو قرار دیتا ہے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت اور گھر کے حسن انتظام کی شکل میں اس کی صلاحیتوں کے جوہر گھر میں ہی آشکار ہوتے ہیں۔ عورت کو گھر سے باہر نکالنے کی آواز بلند کرنا، بے پردہ ہوکر ہوس پرستوں کے بیچ لے آنا، ہوائی جہازوں میں ایرہوسٹس اور دفتروں کی زینت بنانا، بہرحال عورت کی عزت وعصمت کے خلاف عالمی طور پر منظم اور گھناؤنی سازش ہے اور عورت کے حقوق کی پامالی و بے حرمتی ہے۔ ماں کی حیثیت سے، شریکہ حیات کی حیثیت سے، بہن کی حیثیت سے اور بہو و بیٹی کی حیثیت سے عورت کی عظمت کو جگہ جگہ قرآن وسنت میں واضح کیا گیا ہے اور ان کے حقوق کی صراحت کی گئی ہے۔ آج اکیسویں صدی میں عورت کی مظلومیت کی داستان سنائی جارہی ہے اور سطحی اور مذموم مقاصد کے تحت عورت کے حقوق کی بات کی جارہی ہے۔ حقوق نسواں کے نمائندوں کو اور آزادیٔ نسواں کے علمبرداروں کو دعوت فکر ونظر دی جاتی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت اور اس کے آخری رسول محمد عربی ﷺ نے اس وقت حقوق نسواں کی تحریک برپا کی تھی جب کہ یورپ تاریکیوں میں گم تھا اور عورت محض تفریح طبع کا سامان اور بچہ پیدا کرنے کی مشین سمجھی جاتی تھی۔ خطبہ حجۃ الوداع کی ایک اہم دفعہ یہ تھی:

اِنَّ لَكُمْ مِنْ نِسَاءِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَاءِكُم عَلَيْكُمْ حَقًّا[۱]

[بلاشبہ تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے۔]

آج کی دنیا میں فرائض وواجبات سے کنارہ کشی اختیار کی جاتی ہے اور حقوق و مراعات کی بازیابی کے لیے راگ الاپے جاتے ہیں، نعرے بازی ہوتی ہے، جلوس نکالے جاتے ہیں، اجتماعی کارروائیاں کی جاتی ہیں، سیمینار اور سمپوزیم منعقد کیے جاتے ہیں۔ اگر آج کے دور میں مرد خلوص اور ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض سے سبک دوش ہوں اور عورتیں اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوں تو حقوق کی بازیابی کے لیے جلسوں کا

انعقاد اور سیمینار و سمپوزیم کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے۔ مرد اور عورت کے حقوق و فرائض سے متعلق یہ تعلیم صرف فرزندان توحید کے لیے ہی نفع بخش نہیں ہے، بلکہ تمام مذاہب کے پیروؤں کے لیے یکساں مفید اور دور رس اثرات کی حامل ہے۔ اس تعلیم پر عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں ایک طرف مرد کا وقار اور اس کی قوامیت باقی رہتی ہے تو دوسری طرف عورت کی عزت و عصمت محفوظ و مامون رہتی ہے اور پھر وہ اپنے مخصوص دائرے میں رہتے ہوئے تربیت اولاد اور گھر کے حسن انصرام کی شکل میں اپنی مخصوص صلاحیتوں کے نذرانے پیش کرتی ہے۔

اطاعت امیر کا حکم:

آج بالخصوص امت مسلمہ میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر قیادت سے محرومی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر قیادت کا فقدان نہیں ہے۔ خلوص وللّٰہیت، فکر وتدبر، انتظام وانصرام اور جرأت و بے باکی کے اوصاف کے لحاظ سے کسی زمانے میں بھی امت مسلمہ میں قحط الرجال نہیں رہا ہے اور آج کے اس اکیسویں صدی میں بھی اخلاص وللّٰہیت کے وصف سے آراستہ، علم وآگہی سے مزین اور فہم وتدبر اور قیادت ورہنمائی کے جوہر سے مرصع، بلند قامت شخصیات کی کمی نہیں ہے۔ المیہ یہ ہے کہ امت کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ کسی قائد کو برداشت کرے۔ جھوٹی شہرت کا حصول، اپنی اَنا کی تسکین کا جذبہ، شخصی اور گروہی مفادات کے تحفظ کا خیال اور مسلک و مکتبۂ فکر کا حصار، امت کو اتحاد واتفاق کی لڑی میں پرونے نہیں دیتا اور قائد کے بارے میں یہ مفروضہ قائم کیا جاتا ہے کہ وہ ایسا آئیڈیل ہو کہ تقصیرات وکوتاہیاں اس کے قریب نہ پھٹکیں۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ انسانوں کے لیے کوئی آئیڈیل قائد انسان ہوگا اور انسان سے غلطیاں بھی ہوں گی، اس کے بعض اقدامات اور فیصلے بعض لوگوں کے لیے یا بعض طبقات کے لیے قابل اعتراض بھی ہوں گے۔ امت اگر ایسا قائد چاہتی ہے کہ اس سے کوئی خطا نہ ہو اور وہ ہر ایک کو خوش رکھے تو بہر حال یہ انسانی قیادت سے فروتر اور امر

مستحیل ہے۔ ایک قائد سب کو خوش نہیں رکھ سکتا، ہاں قابل توجہ یہ ہے کہ اس کے اقدامات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے انحراف پر مبنی نہ ہوں۔ آپ ﷺ جب الوداعی خطبہ فرما رہے تھے تو انتشارِ امت کو ختم کرنے کے لیے اور اتحاد و اتفاق کا شیرازہ برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر تھا کہ آپ آخری ہدایت نامہ میں اس عقدہ کو حل فرماتے۔ آپ ﷺ نے اس سلسلے میں جوامت کو قیمتی سبق دیا، وہ کتب احادیث وسیر کے اوراق کی زینت ہے اور قیامت تک یہ زندہ قوموں کے لیے روح پرور پیغام ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَأَطِيْعُوا وَإِنْ أُمِرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجْدِعٌ مَا أَقَامَ فِيْكُمْ كِتَابَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ۵۹

[اے لوگو! اللہ سے ڈرو، سنو اور اطاعت کرو، اگر چہ حبشی بریدہ غلام تمہارا امیر ہو، جب تک وہ تم کو اللہ عزوجل کی کتاب کے مطابق لے چلے۔]

یہ تعلیم غیر اسلامی حکومت کی رعایا کے لیے بھی اتنی ہی اہم ہے۔ ملک کا دستور و ضابطہ کسی ملک کی عظمت کا ترجمان ہوتا ہے۔ تعلیم نبوی کا انطباق یوں ہوتا ہے کہ ایک حکمراں اگر جمہوریت کی روح برقرار رکھتے ہوئے، تمام طبقات (خواہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں) کا خیال کرتے ہوئے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ملک کے دستور کا تقدس برقرار رکھتے ہوئے وہ حکمرانی وقیادت کر رہا ہے تو خواہ مخواہ اس کے اصولوں کے نفاذ میں سد راہ نہیں بننا چاہیے، مخالفتوں اور مخاصمتوں کا طوفان نہیں کھڑا کرنا چاہیے، احتجاجات اور بغاوتوں کو شہہ نہیں ملنا چاہیے۔ چاہے وہ حکمراں اونچی ذات کا ہو یا نیچی ذات کا، اس کا احترام لازم ہے۔ ملک کے قانون کا احترام واجب ہے، اور صحیح معنوں میں ملک وقوم کی صلح وآشتی اور فلاح وبہبود کے لیے اس کے اقدامات سراہے جانے کے لائق ہیں۔

مجرم کے ہی اپنے جرم کی سزا کا اعلامیہ:

باپ کے جرم میں بیٹا، بیٹے کے جرم میں باپ، بھائی کے جرم میں بھائی چچا

کے جرم میں بھتیجا اور بھتیجے کے جرم میں چچا مجرم نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کاغذی طور پر بعض ملکی اور بین الاقوامی ضوابط و دفعات میں یہ اصول موجود ہو۔ لیکن صداقت یوں نظر آتی ہے کہ پوری دنیا میں یہ کریہہ اور انسانیت سوز منظر سامنے آتا ہے کہ اکثر و بیشتر ایک شخص کی غلطی کا خمیازہ پورے خاندان والوں کو بھگتنا پڑتا ہے اور بسا اوقات خاندان کے خاندان تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ اسلام غلطی کا ارتکاب کرنے والے کا ہی مواخذہ کرتا ہے۔ مجرم وہ ہے جو جرم کرتا ہے اور سزا مجرم کو ہی ملنی چاہیے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات اعزہ و اقربا اور احباب و رفقاء کو مجرم نہیں قرار دیتیں الا یہ کہ کسی نہ کسی حد تک ان کے ملوث ہونے کا ثبوت فراہم ہو جائے۔

قرآن مجید کی بے شمار تعلیمات اس موقف پر دال ہیں کہ جو عمل خیر کرے گا اس کے نتیجہ خیر سے وہ خود مستفیض و شرفیاب ہوگا اور جو عمل بد اختیار کرے گا اس کا وبال خود اسی پر ہوگا۔[60] اسلام کا یہ درخشاں اصول دنیا اور آخرت دونوں جگہوں کے مقدمات کے سلسلے میں ہے۔ آخری حج کے موقع پر ترجمان وحی الٰہی رسالت مآب ﷺ نے اس سلسلے میں قرآن مجید کی درخشاں تعلیمات کا ماحصل ان الفاظ میں پیش کیا تھا اور امت مسلمہ کے نمائندہ اجتماع کے واسطے سے پوری انسانی برادری کو یہ واضح لائحہ عمل دیا تھا:

اَلَا لَا یَجْنِی جَانٍ اِلَّا عَلٰی نَفْسِہٖ اَلَا لَا یَجْنِی جَانٍ عَلٰی وَلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰی وَالِدِہٖ[61]

[ہاں سنو! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہاں، باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں ہے اور بیٹے کے جرم کا جوابدہ باپ نہیں ہے۔]

رسول اکرم ﷺ کی اس زریں تعلیم کو اگر آج معاشرہ انسانی اپنا وطیرۂ زندگی بنا لے اور حقوق انسانی کے علمبردار ان مقدس الفاظ کو اپنے قانون و ضابطہ کی زینت بنا لیں تو بعید نہیں کہ بہت حد تک ظلم و بربریت اور وحشت و درندگی کا قلع قمع ہوگا اور انسانی عظمت و تقدس کی بہت حد تک حفاظت ہو سکے گی۔

کتاب وسنت سے تمسک کی ہدایت:

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ شریعت مطہرہ کے دو مستند ترین مآخذ ہیں۔ کتاب اللہ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عظمت کے ظاہری پہلو کو بھی مستحضر رکھا جائے اور اس کی عظمت کے باطنی پہلو کو بھی۔ بلکہ اس ضابطۂ زندگی کا اصل احترام یہ ہے کہ اس کی تعلیمات سے اپنی زندگیوں کو روشن کیا جائے اور اس کے احکام کو معاشرے میں نافذ کیا جائے۔ اسی طرح سنت رسول اللہ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ پر مقالے لکھے جائیں، کتب ورسائل تحریر کیے جائیں، تقاریر و مواعظ سے عوام وخواص کو مستفیض کیا جائے، تقریبات سیرت نبوی کا اہتمام کیا جائے، لیکن آپ ﷺ سے محبت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کو اسوۂ عمل بنایا جائے اور آپ کی تعلیمات کو انسانیت کے لیے نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ خاتم الانبیاء ﷺ نے عرفات کے میدان میں انسانیت کو جو جامع دستور حیات دیا تھا، اس کی ایک اہم دفعہ یہ تھی:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِي[۲۶]

[میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تم لوگ ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم لوگ ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے اور وہ دو چیزیں ہیں کتاب اللہ اور میری سنت۔]

رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مقدس الفاظ کے آئینے میں آج امت اپنی تصویر دیکھے کہ کیا وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا حق ادا کر رہی ہے۔ قرآن مجید میں ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں سے اللہ رب العزت کا یہ وعدہ بتکرار مرقوم ہے کہ وہ زمین میں خلافت ارضی کا پروانہ سونپے گا اور عزت وسرخروئی ان کے لیے مقدر ہوگی جو ایمان سے شرفیاب ہو جائیں اور عمل صالح کو اپنا زیور حیات بنالیں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ آج امت مسلمہ پوری دنیا میں ذلت وخواری اور محرومیت ومظلومیت کے دور سے گزر رہی

ہے اور طرح طرح کے نامساعد حالات سے اس کو سابقہ پڑ رہا ہے۔ تشویشناک حد تک ان کو مشکوک و مشتبہ قرار دیا جا رہا ہے اور اس بنیاد پر ان کی جان، مال اور عزت سے بھی کھلواڑ کیا جا رہا ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ حالاں کہ مسلمانوں سے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ سرخرو اور فائز المرام ہوں گے۔

امت کی ہمہ جہت پستی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آج مسلمان کا واسطہ قرآن مجید سے رسمی رہ گیا ہے۔ وہ کتاب جس نے بھیڑ بکری چرانے والی قوم کی زندگیوں کو بدل دیا تھا، وہ ساری دنیا کے انسانوں کے رہبر ہو گئے تھے اور اسی کتاب کی بدولت انھوں نے اغیار و اجانب کے کیمپ میں لرزہ طاری کر دیا تھا، آج بھی وہ کتاب محفوظ و مامون شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس کتاب سے ہمارا تعلق مضبوط و مستحکم ہو جائے اور ہم ذلیل و خوار رہیں۔ اسی طرح سنت رسول اللہ سے ہماری وابستگی سطحی ہے۔ سرور عالم ﷺ پر محض درود و سلام پڑھ لینا، نام آتے ہی عقیدت سے چوم لینا، میلاد کی محفلوں کو قمقموں سے مزین کر دینا اور اس سلسلے میں ہفتہ و عشرہ تقریبات کا انعقاد کر لینا، یقیناً یہ محبت رسول ﷺ کے مظاہر ہیں لیکن محبت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے طریقۂ زندگی سے محبت ہو جائے، شب و روز کے چوبیس گھنٹوں، نشست و برخاست، تکلم و گویائی، اکل و شرب، سلوک و برتاؤ اور دیگر تمام مصروفیات میں سنت رسول اللہ جلوہ گر ہو جائے۔

قرآن مجید چوں کہ اللہ رب العزت کی عطا فرمودہ نعمت عظمیٰ ہے جو ساری انسانیت کے لیے ہے اور رسول اکرم ﷺ قیامت تک کے سارے انسانوں کے لیے رسول ہیں۔ آپ ﷺ کا طریقۂ زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔ آج اگر دنیائے انسانیت پستی و انحطاط اور زوال و ادبار کا حل تلاش کرنے میں سرگرداں ہے تو تجربے کی میز پر اس کتاب اللہ کو رکھے جو بلاشبہ تمام انسانوں کو راہ نجات دکھاتی ہے اور بلاشبہ اس راہ نجات کے اسرار و رموز سرور کونین ﷺ کی زندگی میں ملتے ہیں۔

رب العالمین کی عبادت کا لائحۂ عمل:

اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے خدمت گار کے طور پر

کائنات کی پوری بزم سجادی۔ انسان خدا کی زمین پر رہتا ہے، اس کا دیا ہوا کھاتا ہے، اس کی ہواؤں میں سانس لیتا ہے، اعضاء جسمانی کی شکل میں اس کی بے مثل نعمتوں سے مالا مال ہے، ماں باپ جیسے شفقت ومحبت کے پیکر سے وہ بہرہ ور ہے، اعزہ واقربا اوراحباب ورفقاء کی عنایت وتوجہ اورالفت ومحبت کا سرمایہ اس کی زندگی کو خوشگوار بناتا ہے۔ ان ساری نعمتوں سے متمتع ہونے کے باوجود اگر وہ اپنا سرکسی اور آستانے پر جھکاتا ہے اوراپنی عملی زندگی کے فیصلہ کن مراحل میں دوسری ہستیوں کوشریک وسہیم سمجھتا ہے تو اس سے بڑی بے حیائی اور اس سے بڑی ناشکری نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ عقیدے کے اس فساد کے ساتھ کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں باوزن نہیں ہوتا[۶۳] اوراس کی حیثیت صحرا کے سراب کی طرح ہوتی ہے۔[۶۴] اللہ کی ذات کا انکار یا اللہ کی ذات میں، اس کی صفات میں یا اس کے اختیارات میں کسی کو ساجھی قرار دینا، دونوں ہی انتہائی شنیع جرم ہیں، اور دونوں کا انجام جہنم ہے[۶۵]۔ اللہ رب العزت کے یہاں اگر کوئی معافی نہیں ہے تو کفروشرک کی معافی نہیں ہے۔ شرک کو اللہ رب العزت کھلے الفاظ میں جرم عظیم اور ظلم عظیم قرار دیتا ہے[۶۶]۔ اسی لیے اس کے نزدیک یہ جرم ناقابل معافی ہے۔

عبادت صرف اور صرف اللہ کی ہونی چاہیے، یہی تعلیم تمام پیغمبران خدا نے انسان کو دی اوراسی کی تعلیم سرورکونین ﷺ نے فرمائی، اس لیے کہ اس کی پیدائش کا مقصد ہی عبادت ہے[۶۷]۔ گویا ایک لمحہ کے لیے بھی اس مبارک عمل سے انحراف اللہ سے انحراف ہے، چنانچہ ایک شخص سے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اللہ کا ہی عبد ہوکر رہنے کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اور یہی وہ شایانِ انسانیت عمل ہے جو انسان کو تمام معبودان باطل کے طوق سلاسل سے خلاصی کا سبب بنتا ہے۔ اگرچہ رسول اکرم ﷺ نے سوالاکھ نمائندگان اسلام کی موجودگی میں وہ تاریخی خطبہ دیا تھا، لیکن اس نمائندہ اجتماع کے توسط سے آپ پوری انسانی برادری کو یہ پیغام دے رہے تھے۔ اس لیے کہ آپ کی بعثت مبارکہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہوئی تھی بلکہ انسانیت کے لیے ہوئی تھی اور آپ رحمۃ للعالمین کے مقام پر فائز تھے۔ ہاں ایمان کی نعمت سے شرفیاب ہونے والے ہی اس امانت کو

دنیائے انسانیت تک پہنچا سکتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اس خطبہ میں وہ عظیم الشان دفعہ بھی شامل کی جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد معبودان باطل کا قلادہ اپنی گردنوں سے اتار پھینک کر انسانیت کی معراج حاصل کی جا سکتی تھی اور ابدی اور لازوال کامیابی کی شکل میں جنت کا حصول ممکن ہوسکتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

اعبُدُوا ربّکم فَصَلُّوا خَمسَکُم وَصومُوا شَهرَکُم وَاَطِیْعُوا اذا آمرکُم تَدخُلُوا جنّة ربّکم [68]

[تم لوگ اپنے رب کی عبادت کرو، اپنی پانچوں وقت کی نمازیں پڑھو، اپنے روزے رکھو اور جب میں تم کو حکم کروں تو اطاعت کرو، تاکہ تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔]

فرزندان اسلام کے لیے یہ وصیت جس قدر معنی خیز تھی، بعینہٖ دوسرے بندگان خدا کے لیے اہم اور قابل قدر تھی۔ ایک خدا کی بندگی آسان بھی ہے اور انسان کے شایان شان بھی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ خداؤں کے جھرمٹ میں رہنے والے بندۂ خدا کو نہ تو فکر و خیال کے لحاظ سے امن و آشتی نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی حقیقی خالق سے صرف نظر کر کے اس کی زندگی پُر کیف و پُر بہار ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ایک خدا کی عبادت کا علم اٹھا کر گویا وہ اس کی صفت عدل کا بھی قائل ہوتا ہے اور اسے اس بات پر یقین ہوتا ہے کہ اس امتحان گاہ کے بعد ایک نتیجہ گاہ بھی وقوع پذیر ہوگی جہاں اپنے کیے ہوئے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ گویا خدا کی وحدت کے قائل اور آخرت پر یقین کامل رکھنے والے شخص کی زندگی ایک ذمہ دار اور جوابدہ کی زندگی ہو جاتی ہے۔ اس طرح فکر و عقیدہ کے لحاظ سے بھی اس کا دل دماغ بہت سے خداؤں کی آماجگاہ نہیں بنتا اور نہ ہی وہ یہاں بے لگام زندگی گزارتے ہوئے ظلم و بربریت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

خلاصۂ مبحث:

انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کم و بیش سوا لاکھ انبیاء کرام مبعوث ہوئے۔ بعثت مبارکہ کے اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ

ہیں۔ چوں کہ اسلام اللہ رب العزت کی بیش بہا روحانی نعمت ہے جو حضرت آدمؑ سے لے کر تمام پیغمبرانؑ خدا کو انسانوں کے رشد و ہدایت کے لیے دیا گیا۔ محمد عربی ﷺ پر اس نعمت عظمیٰ کی تکمیل ہوئی۔ قرآن مجید اسلام کا مستند ترین منشور اور پوری انسانی برادری کے لیے جامع طریقۂ زندگی ہے جو محمد عربی ﷺ پر نازل ہوا۔ اسلام جب عالمگیر ہے تو اس کا منشور بھی عالم گیر ہوگا اور اس منشور کی تفسیر و بیان کو بھی آفاقیت کا درجہ حاصل ہوگا۔ متعدد قرآنی آیات رسول عربی ﷺ کی عظمت و رفعت پر ناطق ہیں۔ کہیں آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا جاتا ہے، کہیں آپ کی اتباع کو اللہ کی محبوبیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، کہیں آپ کو اخلاق فاضلہ کی انتہائی بلندیوں پر متمکن ہونے کا اعزاز بخشا جاتا ہے، کہیں آپ کے نطق و گویائی کو اللہ کی وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کہیں آپ پر اللہ کی خاص نظر عنایت کا تذکرہ ہوتا ہے اور کہیں بہ بانگ دہل یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ آپ رحمۃٌ لِلعَالمین ہیں اور آپ کا اسوۂ زندگی ان تمام انسانوں کے لیے نمونہ عمل ہے جو اللہ سے ملاقات کے خواہاں اور آخرت کی لازوال مسرتوں کے حصول کے امیدوار ہیں۔

ایام حج کے دوران عرفات کے میدان میں خاتم الانبیاء ﷺ کا خطبہ وہ آخری خطبہ ہے جو خطبہ حجۃ الوداع سے موسوم ہے۔ اگر چہ یہ عظیم الشان مجمع دنیا بھر کے ایمان کے شیدائیوں اور آپ ﷺ کے جاں فروشوں کا تھا، تاہم ان کے توسط سے اس وصیت اور الوداعی پیغام کے مخاطب وہ لوگ بھی تھے جو کسی وجہ سے ایمان سے شرفیاب ہونے کے باوجود شرکت سے محروم تھے اور وہ لوگ بھی اس پیغام کے مخاطب تھے جو حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے لیکن اسلام کی اس نعمت غیر مترقبہ سے ان کو محروم نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

علاقائی سطح پر، ضلعی سطح پر، صوبائی سطح پر، ملکی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر حقوق و مراعات کی بازیافت کی باتیں گونج رہی ہیں، مضامین و مقالات اور کتب و رسائل منظر عام پر آ رہے ہیں، ہفتہ و عشرہ تقریبات منائی جا رہی ہیں، ملاحظات و مناقشات ہو رہے ہیں اور سیمینار و سمپوزیم منعقد ہو رہے ہیں، لیکن سچ تو یہ ہے کہ مرض سنگین سے سنگین تر ہوتا جا رہا ہے اور انسان کی عظمت مجروح ہوتی جا رہی ہے۔ آج جمہوریت اور شورائیت

کے قیام کی بالادستی کے نام پر عدل وانصاف کا خون کیا جارہا ہے، حقوق پامال کیے جارہے ہیں، عزتوں سے کھلواڑ کیا جارہا ہے، انسانی خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے، رنگ و نسل اور خطہ وعلاقہ کی بنیاد پر معاملات طے ہورہے ہیں، عورتوں کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہے اور آزادئ نسواں کی آڑ میں عورتوں کی عزت وعصمت کا سودا کیا جارہا ہے، مجرم کے بجائے مجرمین کے متعلقین واحباب حراست میں لیے جاتے ہیں اور انھیں ناکردہ گناہوں کی سزا جھیلنی ہوتی ہے، قیادت کے نام پر امت میں بحران ہے، اگرچہ ایسا نہیں ہے کہ باوصف اور لائق وفائق افراد ملت کا فقدان ہے، لیکن تشویشناک بات یہ ہے کہ جھوٹی شہرت، بے جا حمیت، تعصب، برادری، ذاتی، خاندانی اور گروہی مفادات کے حصار نے امت کی قوت بازو کو شل کردیا ہے اور ان کے احساس زیاں کو نابود کردیا ہے، اس لیے کسی بھی قائد کو برداشت کرنے کی صلاحیت اس کے اندر نہیں رہ گئی ہے۔ اسی طرح کسی بھی ملک کے عوام کے اندر تحمل وبردباری کا وہ وصف معدوم ہوتا جارہا ہے جس کی بنا پر اس کے اندر سے اہون البلیتین (Lesser Evil) کو برداشت کرنے کی قوت ناپید ہوچکی ہے اور حکمراں جماعت کے لیے عوام اور حکمراں مخالف جماعتوں کی طرف سے بسا اوقات مخالفتوں اور مخاصمتوں کا طوفان برپا کیا جاتا ہے۔

عصر حاضر کے ان ناخوشگوار ونامساعد حالات میں خطبۂ حجۃ الوداع بجا طور پر حقوق انسانی کا جامع اور عالمگیر منشور ثابت ہوتا ہے۔ امانتوں کی ادائیگی کا حکم بالخصوص اسلام جیسی متاع عزیز کو ان بندگان خدا تک پہنچانے کی تعلیم جو اللہ رب العزت کی اس نعمت بے بہا سے محروم ہیں، دنیائے انسانیت کے لیے متاع گراں مایہ سے کم نہیں ہے۔ جان، مال، عزت اور آبرو کی حفاظت کی تعلیم عقل عام سے مزین اور غیرت وحمیت سے پر ہر شخص کے لیے اس عارضی دنیا میں مژدۂ جانفزا اور روح پرور پیغام ہے۔ تقویٰ دراصل وہ ضابط وحکمراں ہے جو شب تاریک میں بھی اور دن کی روشنی میں بھی، بند کمرے اور کوٹھری میں بھی، چوراہوں اور شاہراہوں پر بھی، آبادی میں بھی اور ویرانے میں بھی، میدان بزم میں بھی اور میدان رزم میں بھی، فواحش ومنکرات کا باغی اور خیرات وحسنات

کا پیامی بنا دیتا ہے۔ رنگ ونسل اور فرقہ و برادری کے تمام فروق امتیازات کو پیروں تلے دبا کرامت مسلمہ کے نمائندہ اجتماع کے توسط سے دنیائے انسانیت کو نبی عربی ﷺ نے یہ قیمتی درس دیا ہے کہ بڑائی کا کوئی معیار اگر ہے تو وہ صرف تقویٰ ہے۔ اسی طرح آخرت کا عقیدہ آدمی کو، ذمہ دار و جوابدہ بناتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے الوداعیہ خطبہ کے یہ مقدس الفاظ 'سَتُلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُم عَنْ أَعْمَالِكُمْ' حقوق وفرائض کی ادائیگی کے لیے پوری انسانی برادری کے لیے مہمیز کا کام کرتے ہیں۔ افراط وتفریط اور غلو وانتہا پسندی سے اجتناب کی تلقین جس طرح دین و مذہب کے لحاظ سے سرمایۂ سیم ورز ہے اسی طرح دنیوی مشاغل ومعاملات میں رحمت ورافت کا پیغام ہے جسے لاکھوں فرزندان توحید کے سامنے آپ نے بطور وصیت حوالۂ ناظرین کیا تھا۔

مجرم وہی ہے جو جرم کا ارتکاب کرے، یہ نہیں ہوگا کہ اس کا باپ بیٹا یا کوئی اور عزیز اس جرم کی پاداش میں اذیتیں جھیلے۔ یہ ایک صائب فکر اور راست طریقہ ہے جو آج کی دنیا میں اگر جامۂ عمل پہن لے تو ایک مجرم کے بدلے میں خاندان کے خاندان کی تباہی کا المناک اور روح فرسا منظر نگاہوں کے سامنے نہ آئے۔ اس زریں اصول کو بھی آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبہ کی اہم دفعہ میں شامل کیا اور لوگوں کو تنبیہ کی کہ ظالم اور مجرم ہی کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے نہ کہ اس کے اعزہ واقربا اور دیگر احباب و متعلقین۔ حقوق نسواں کی بحالی اور آزادئ نسواں کا نعرہ اگرچہ جاذب نظر ہے، تاہم جدید دور میں یہ آوازیں عورت کی خیر خواہی کے بجائے اس سے نفرت وعداوت اور اس کی آبروریزی پر ناطق ہیں۔ عورت اپنی فطرت اور مخصوص صلاحیت کی بنا پر گھر کی ملکہ ہے اور اس اہم ترین تربیت گاہ کی کل وقتی معلّمہ اور مربیہ ہے۔ اسی طرح مرد باہر کی دنیا کا سفیر، اقتصادی امور کا ذمہ دار اور گھر کے احوال وکوائف کا نگراں ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے شریک سفر اور گاڑی کے دو پہیے کے مثل ہیں۔ یہ دونوں اسی وقت کام کر سکتے ہیں جب دونوں ہی درست ہوں۔ مرد اور عورت کی درستگی اور اپنے اپنے میدان میں حسن کارکردگی کا راز اس میں مضمر ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں اور

دونوں ہی اپنے فرائض کے تئیں بیدار مغزی کا ثبوت دیں۔ انسان کی انسانیت کا راز بلکہ یوں کہا جائے کہ انسانیت کی معراج کا راز اس میں مضمر ہے کہ تمام باطل خداؤں کا قلادہ اتار پھینک کر خدائے واحد کی عبودیت کا تاج اپنے سر پر رکھ لے، جبھی وہ اس دنیا میں اشرف المخلوقات کی حیثیت سے زندگی گزار سکتا ہے اور فرائض و واجبات کی بحسن و خوبی ادائیگی کے ذریعہ لازوال مسرتوں کی کلید حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ دونوں جہاں کی سعادتوں اور کامرانیوں کے لیے قیمتی مخزن اور مستند ترین مصادر ہدایت ہیں جن کی تعلیمات کو عملی زندگی میں برت کر دونوں جہاں کی سرخروئی کا مقام حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اگر حجۃ الوداع کے ان تاریخ ساز، فکر انگیز اور بے نظیر تعلیمات و تنبیہات کو معاشرہ انسانی نقوش راہ بنالے تو صحیح معنوں میں عدل وانصاف کا قیام، حقوق و مراعات کی حفاظت اور انسانیت نوازی و بشر دوستی کا چلن معاشرہ انسانی میں عام ہو سکتا ہے اور حقوق انسانی سے متعلق ہمارے مقالات وملاحظات، مناقشات ومباحث اور قومی اور بین الاقوامی سیمنار وسمپوزیم محمود ومبارک اور سعی مشکور ثابت ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆

حوالے وحواشی

۱۔ الشوریٰ:۱۳ ۲۔ المائدہ:۳

۳۔ المائدہ:۳

۴۔ البقرہ: ۲، ۹۷، ۱۸۵، آل عمران: ۱۳۸، الانعام: ۱۵۷، الاعراف: ۲۰۳، النحل:۶۴، ۸۹، ۱۰۲، النمل:۲، لقمان:۳، فصلت:۴۴

۵۔ الانعام: ۱۵۷، الاعراف:۲۰۳، یونس: ۵۷، یوسف:۱۱۱، النحل:۸۹، الاسراء: ۸۲، القصص:۴۳

۶۔ یونس:۵۷، الاسراء:۸۲، فصلت:۴۴

۷۔ ابراہیم:۱ ۸۔ الاسراء:۹

۹۔ ابراہیم:۵۲

۱۰۔ آل عمران: ۳۲، ۱۳۲، النساء: ۵۹، المائدہ:۹۲، الانفال: ۱، ۲۰، النور: ۵۴، محمد: ۳۳، المجادلہ:۱۳، التغابن: ۱۲

۱۱۔ آل عمران:۳۱ ۱۲۔ النجم:۳

۱۳۔ القلم:۴ ۱۴۔ الاحزاب:۵۶

۱۵۔ الاعراف: ۱۵۷ ۱۶۔ الانبیاء: ۱۰۷

۱۷۔ النحل: ۴۴، ۶۴ ۱۸۔ الاحزاب:۲۱

۱۹۔ مسلم بن حجاج القشیری: الجامع الصحیح، الجزء الاول، کتاب العتق، ص: ۴۹۵، مطبع اصح المطابع، دہلی

۲۰۔ القشیری: الجامع الصحیح، الجزء الاول، کتاب البر، ص: ۱۲۵۔۱۲۶

۲۱۔ چوں کہ قرآن مجید اسلام کا عالمگیر اور آفاقی منشور ہے جو قیامت تک کے لیے ہے اور نبی کریم ﷺ اس کتاب عزیز کے حامل ہیں۔ آپ کے بعد نہ ہی کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی کتاب، اس لیے آپ ﷺ کی عظمت کا راز بھی اس اعتراف ویقین میں مضمر ہے کہ آپ کو تمام دنیا کے انسانوں کے لیے نبی بنا کر

بھیجا گیا اور بطور سرچشمہ ہدایت آپ ﷺ کو یہ کتاب دی گئی۔ اس لیے آپ کی نبوت بھی عالمگیر اور آفاقی ہے۔

۲۲۔ الانبیاء: ۱۰۷، سبا: ۲۸ ۔ ۲۳۔ آل عمران: ۳۱

۲۴۔ النساء: ۵۸ ۔ ۲۵۔ الاعراف: ۱۰۵

۲۶۔ عبدالملک بن ہشام: سیرۃ النبی، الجزء الرابع ص: ۲۷۵، دار الفکر

۲۷۔ التکاثر: ۸

۲۸۔ الحاکم النیسابوری: المستدرک، کتاب الرقاق، الجزء الرابع، ص: ۳۰۶، ۱۳۴۲ھ، دائرۃ المعارف، حیدر آباد،

۲۹۔ محمد بن عیسیٰ الترمذی: سنن الترمذی، الجزء الثانی، باب فی القیامۃ، ص: ۵۴۵، حدیث نمبر ۲۴۱۷، الطبعۃ الاولیٰ، مکتبۃ المعارف، ریاض

۳۰۔ الحجر: ۹

۳۱۔ آل عمران: ۸۵، النساء: ۱۲۵، المائدہ: ۳

۳۲۔ آل عمران: ۱۱۰ ۔ ۳۳۔ المائدۃ: ۳۲

۳۴۔ ابن حنبل: المسند، الجزء الاول، ص: ۲۳۰

۳۵۔ شبلی نعمانی: سیرۃ النبی، ج: ۲، ص: ۹۹، ۱۴۰۸ھ، لاہور

۳۶۔ ابن حنبل: المسند، الجزء الخامس، ص: ۴۱۱

۳۷۔ الحجرات: ۱۳

۳۸۔ تقویٰ دراصل خوف خدا یا خشیت الٰہی سے عبارت ہے۔ دنیا کا کوئی قانون، معاشرے کی کوئی تعلیم یا روایت مخصوص اوقات میں اور وقتی طور پر کارگر اور موثر ہو سکتی ہے، لیکن خدا کا خوف یا تقویٰ ہر جگہ آدمی کو اچھائیوں کا علمبردار اور برائیوں سے باغی بنا دیتا ہے۔ اور یہ قانون انسان کو اندر سے بدل دیتا ہے۔

۳۹۔ البقرہ: ۱۳۴، ۱۴۱، ۲۸۶، النحل: ۱۷، الانبیاء: ۹۴، بنی اسرائیل: ۲۱، الزلزال: ۷-۸

۴۰۔ اسلام نتائج عمل میں برابری کا قائل نہیں ہے۔ ہاں اسباب و وسائل سب کے

لیے فراہم ہونے چاہئیں، اس بات کی وکالت کرتا ہے۔ اگر ایک انسان مفلس اور غریب ہے جو اپنی معاشی خستہ حالی کی بناء پر اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام نہیں کر سکتا، اس کے لیے اسلامی حکومت ذمہ دار اور مکلّف ہے کہ دوسرے بچوں کی طرح سہولیات اسے بھی دستیاب ہوں اور یکساں مواقع فراہم کیے جائیں۔ نتیجہ عمل میں برابری بہر حال غیر فطری اور غیر عقلی ہے اس لیے کہ جب اس بات کا یقین ہو کہ کام کیا جائے یا نہ کیا جائے محنت وکاوش کی جائے یا غفلت اور کام چوری کا طریقہ اختیار کیا جائے تو پھر کوئی تنظیم، کوئی شعبہ یا کوئی ریاست کیوں کر ترقی کے گام پر چل سکتی ہے، اس لیے کہ کام چوری، سستی، اور غفلت و بے توجہی، عام لوگوں کا شیوہ وشعار بن جاتا ہے۔ انسانوں میں مقام ومرتبہ اور نتیجہ وانجام کے لحاظ سے تفاوت در اصل کائنات کا نظام قائم رکھنے کے لیے ایک بڑی حکمت عملی ہے۔ اس کے برعکس اگر نتائج میں سب برابر ہو جائیں تو کائنات فساد کا شکار ہو جائے۔

۴۱ الشوریٰ: ۲۷ ۴۲ البقرہ: ۶۱
۴۳ المائدہ: ۷۷ ۴۴ الحشر: ۱۸۔۱۹
۴۵ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی: سنن ابن ماجہ، ابواب المناسک ومتعلقاتہا، ص: ۲۲۴، مطبع کلکتہ
۴۶ ملاحظہ فرمائیں، الاخلاص، ۱۔۴، الاعراف: ۵۴
۴۷ البقرہ: ۲۵۵، آل عمران: ۲، الشوریٰ: ۱۱، الدخان، ۶، ق: ۱۶
۴۸ البقرہ: ۳۳، الانعام: ۵۹، ہود: ۳۱، ۱۲۳، الاسراء: ۲۵، الکہف: ۲۶، العنکبوت، ۱۰، المؤمنون: ۲۲، السجدۃ: ۶
۴۹ الانعام: ۱۸، ۶۱، یوسف: ۲۱
۵۰ الانعام: ۱۷
۵۱ الانعام: ۱۰۲، الرعد: ۱۶، الکہف: ۱۱۰، الزمر: ۶۲، الشوریٰ: ۱۱، الحشر: ۲۴

۵۲ آل عمران: ۴۴، الانعام: ۱۹، یوسف: ۱۰۲، ہود: ۴۹

۵۳ الاحزاب: ۴۰

۵۴ القلم: ۴

۵۵ آل عمران: ۳۱

۵۶ الاحزاب: ۵۶

۵۷ الاحزاب: ۲۱، الممتحنۃ: ۶

۵۸ ابن ماجہ القزوینی: سنن ابن ماجہ: ابواب النکاح، ص: ۱۳۴، مطبع کلکتہ

۵۹ ابن حنبل: المسند، ج: ۴، ص: ۷۰

۶۰ البقرہ: ۲۸۶، النساء: ۳۲، القصص: ۸۴، الروم: ۴۴، الطّور: ۲۱، القارعۃ: ۶۔۹

۶۱ ابن ماجہ القزوینی: سنن ابن ماجہ، ابواب المناسک ومتعلقاتہا، ص: ۲۲۵، مطبع کلکتہ

۶۲ ابن حنبل: المسند، ج: ۳، ص: ۵۹

۶۳ الکہف: ۱۰۵، الحج: ۳۱

۶۴ النور: ۳۹، ۴۰

۶۵ المائدہ: ۷۲، البیّنۃ: ۶

۶۶ النساء: ۴۸، ۱۱۶، لقمان: ۱۳

۶۷ الذاریات: ۵۶

۶۸ ابن حنبل: المسند، ج: ۵، ص: ۲۵۱، مستدرک حاکم، ج: ۱، ص: ۲۹۸

☆☆☆

کتابیات

عربی کتب:

القرآن الکریم

(۲) ابن سعد، ابوعبداللہ محمد: **الطبقات الکبری**، الجزء الاول، ۱۹۶۰ء، بیروت

(۳) ابن کثیر ابوالفداء اسماعیل: **تفسیر ابن کثیر**، ج ۳، الطبعۃ الاولی، ۱۹۸۰ء، دار الفکر

(۴) ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل: **البدایۃ والنہایۃ**، الجزء الثالث، الطبعۃ الاولی، ۱۹۳۲ء، دار الفکر العربی

(۵) ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، الجزء الاول، ۱۹۷۱ء، دار المعرفۃ، بیروت

(۶) ابن منظور، ابوالقاسم حسین بن محمد: **لسان العرب**، الجزء الخامس، عشر، الدار المصریۃ للتالیف والترجمۃ

(۷) ابن ہشام، عبدالملک: **السیرۃ النبویۃ**، الجزء الاول، ۱۹۳۷ء، دار الفکر

(۸) احمد بن حنبل: **المسند**، الجزء الثالث، الرابع، الخامس، السادس

(۹) الاصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد: **مفردات القرآن**، مطبع المیمنیۃ، مصر

(۱۰) الآلوسی، ابوالفضل شہاب الدین سید: **روح المعانی**، الجزء الثانی والعشرون، ادارہ الطباعۃ المطفائیۃ، دیوبند

(۱۱) البخاری، محمد بن اسماعیل: **الجامع الصحیح**، الجزء الاول، الجزء الثانی، کتب خانہ رشیدیہ دہلی

(۱۲) البغدادی، علاء الدین: **تفسیر الخازن**، الجزء الخامس، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۵۵ء، مصر

(۱۳) البغوی، محی السنۃ ابن مسعود: **معالم التنزیل**، الجزء الثالث

(۱۴) البیضاوی، ناصر الدین: **انوار التنزیل**، الجزء الثانی، المطبع الاحمدی، دہلی

(۱۵) التبریزی، شیخ ولی الدین: **مشکوۃ المصابیح**، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی

(۱۶) الترمذی، محمد بن عیسی: **سنن الترمذی**، الجزء الثانی، الطبعۃ الاولی، مکتبہ المعارف، ریاض

(۱۷) حمیداللہ ڈاکٹر محمد: **مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ**، طبع الول، طبع ثالث، ۱۹۶۹ء، بیروت

(۱۸) الزمخشری محمود بن عمر: **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل**، الجزء الثالث، دار الکتب العربی، بیروت

(۱۹) الزیات احمد حسن: **تاریخ الادب العربی**، طبع ۱۴، مطبع الرسالۃ، قاہرہ

(۲۰) زیدان، جرجی: **تاریخ التمدن الاسلامی**، ۱۹۳۱ء، دار الہلال

(۲۱) السیوطی، جلال الدین: **الجلالین**، ۱۲۷۶ھ، کولکاتہ

(۲۲) الطبری، ابوجعفر محمد ابن جریر: **جامع البیان عن تاویل آی القرآن**، دار عالم الکتب الریاض، الجزء الثالث عشر، الجزء التاسع عشر، ۲۰۱۳ء

(۲۳) الظاہری، ابن حزم: **الفصل فی الملل والاھواء والنحل**، الجزء الثانی، طبع اول، ۱۳۲۰ھ

(۲۴) القزوینی، محمد بن یزید بن ماجہ: **سنن ابن ماجہ**، ایم بشیر حسن اینڈ سنز، کلکتہ

(۲۵) القشیری، مسلم بن حجاج: **الجامع الصحیح**، الجزء الثانی، ۱۹۳۲ء، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی

(۲۶) المسعودی: **مروج الذہب**، الجزء الثانی

(۲۷) المکی، ابن احمد: **مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ**، الجزء الاول، ۱۳۲۱ھ، حیدرآباد

(۲۸) النیسابوری، الحاکم: **المستدرک**، الجزء الرابع، ۱۳۴۲ھ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد

اردو کتب:

(۲۹) **اردو دائرہ معارف اسلامیہ**، ج ۱۹، طبع اول، ۱۹۸۶ء، دانش گاہ پنجاب، لاہور

(۳۰) **بائبل** (عہد نامہ قدیم، عہد نامہ جدید) اردو ترجمہ، انارکلی، لاہور

(۳۱) حمید اللہ، ڈاکٹر محمد: **محمد رسول اللہ** (نذیر حق مترجم)، طبع اول، ستمبر ۲۰۰۳ء، فرید بک ڈپو، دہلی

(۳۲) سندیلوی، مولانا محمد اسحٰق: **مسئلہ ختم نبوت، علم وعقل کی روشنی میں**، ۱۹۶۳ء، شاہی پریس، لکھنؤ

(۳۳) شفیع، مفتی محمد: **معارف القرآن**، ج ہفتم، ۱۹۸۸ء، دہلی، ج ششم، المکتبۃ دیوبند

(۳۴) صدیقی، پروفیسر یٰسین مظہر: **مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء**، ۲۰۰۸ء،

نشریات، لاہور

(۳۵) صدیقی، نعیم: **محسن انسانیت**، ۱۹۶۰ء، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی

(۳۶) مبارکپوری، مولانا صفی الرحمٰن: **الرحیق المختوم**، المجلس العلمی، علی گڑھ

(۳۷) منصور پوری، قاضی محمد سلیمان سلمان: **رحمۃ للعالمین**، ج ا، طبع اول ۱۹۸۰ء، اعتقاد پباشنگ ہاؤس، دہلی

(۳۸) مودودی، سید ابوالاعلیٰ: **تفہیم القرآن**، ج ۳، ۲۰۰۴ء، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ج ۴، ۱۹۶۹ء، ج ۶، طبع چہارم ۱۹۷۷ء

(۳۹) مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ: **سیرت سرور عالم**، ج ا، طبع دوم، ۱۹۸۱ء، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی۔

(۴۰) میاں صاحب، مولانا سید محمد: **محمد رسول اللہ، قرآن اور تاریخ کے آئینے میں**، طبع اول، ۱۹۷۳ء، کتابستان، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی

(۴۱) ندوی، سید سلیمان: **خطبات مدراس**، ۱۹۸۳ء، مطبع معارف، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ

(۴۲) نعمانی، علامہ شبلی: **سیرۃ النبی**، ج ا، ۲، ۱۴۰۸ھ، مکتبہ قدسیہ اردو بازار، لاہور

انگریزی کتب:

(43) Brandon, S.G.F.: ***A Dictionary of Comparative Religion,*** 1970, Great Britain.

(44) Burton, John: ***The collection of the Quran,*** 1988 New York.

(45) Esposito, John L: (Editor in Chief) ***Encyclopaedia of the Islamic World,*** 2009, Oxford University Press.

(46) Hitti, P.K.: ***History of the Arabs,*** Sixth Edition, 1950.

(47) Ignaz, Goldziher: ***A Short History of Arabic Literature.***

(48) Margoliouth. D.S.: ***Mohammad And the Rise of Islam***

(49) Parrinder, Jeoffrey: ***Worship in the World Religions,*** 1961, London

(50) Port, John Daven: ***Apology for Mohammad and the Koran,*** 1870, London.

(51) Smith, Reverend Bosworth: ***Mohammad and Mohammadanism,*** 1889.

(52) Watt, W. Mantgomery: ***Bell's Introduction to the Quran,*** 1972, London

☆☆☆

نام : ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی تعلیم : عالمیت وفضیلت، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی)
ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی۔، شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
تدریس : پروفیسر شعبۂ دینیات (سنی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

تصنیفات:

۱۔ علماء سلف کی قرآن فہمی (اردو)
۲۔ قرآن سرچشمۂ فکر وفن (اردو)
۳۔ عہد عباسی کے چند ائمہ علم وفن (اردو)
۴۔ سرسید کا اصلاحی مشن (اردو)
۵۔ تحریک اسلامی اور مساجد (اردو)
۶۔ اسلام کا نظریۂ امن (اردو)
۷۔ مطالعۂ دینیاتِ اسلام (اردو)
۸۔ اصلاح معاشرہ اور دعوت وتبلیغ کا قرآنی طریقۂ کار (اردو)
۹۔ سرسید کا دینی شعور (اردو)
۱۰۔ عظیم ہندوستانی مذاہب (اردو)
۱۱۔ مطالعہ ہندو دھرم (اردو)
۱۲۔ احیاء اسلام کی عالمی جدوجہد اور موجودہ چیلنجز (اردو)
۱۳۔ افکارِ سرسید کی عصری معنویت (اردو)
۱۴۔ شاہ راہِ ہدایت (اردو)
۱۵۔ داعیٔ اعظم ﷺ کی عالمگیر نبوت (اردو)
۱۶۔ قرآن اور گیتا کا تصور فلاح (اردو)
۱۷۔ برٹش اسٹڈیز ان دی قرآن (انگریزی)
۱۸۔ اسٹڈیز ان مسلم تھیالوجی (انگریزی)
۱۹۔ دی قرآنک کنسپٹ آف وار اینڈ پیس (انگریزی)
۲۰۔ دی قرآنک ڈائرکٹیوز فار آئیڈیل سوسائٹی (انگریزی)
۲۱۔ دی اسکالرشپ ان سنی تھیالوجی (انگریزی)
۲۲۔ قرآنک گائیڈنس آف دی سلائم قرآن: ایشوز اینڈ چیلنجز (انگریزی)
۲۳۔ دی ورلڈ آف انگلش لرننگ (انگریزی، اردو)
۲۴۔ القرآن الکریم فی بناء المجتمع المثالی (عربی)
۲۵۔ دینیات اسلام (ہندی)
۲۶۔ اسلام میں کامیابی کا تصور (زیر طبع)
۲۷۔ تعلیماتِ قرآنی اور عصر حاضر (زیر طبع)
۲۸۔ شاہ ولی اللہ کا تجدیدی کارنامہ (زیر طبع)
۲۹۔ دی ہولی قرآن اینڈ دی اورینٹلسٹس (زیر طبع)
۳۰۔ ڈیولپمنٹ آف عربک لٹریچر ان عراق (زیر طبع)

مصنف اور یہ کتاب

پروفیسر توقیر عالم فلاحی نے برصغیر کی مشہور و معروف دینی درسگاہ جامعۃ الفلاح سے فراغت کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سندیں حاصل کیں، قرآنیات، مذاہب اور سیریات ان کے مطالعہ کے خاص موضوعات ہیں۔۱۹۹۳ سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دوسو سے زائد مضامین و مقالات ملک اور بیرون ملک کے مؤقر رسائل وجرائد کی زینت بن چکے ہیں۔ اردو، انگریزی اور عربی زبان کے تیس کتابوں کے مصنف ہیں، ملک اور بیرون ملک میں منعقد ہونے والی قومی اور بین الاقوامی سیمیناروں میں ایک سوتیس مقالات پیش کر چکے ہیں۔ انگلینڈ، ایران اور کویت کا علمی دورہ کر چکے ہیں اور اب امریکہ کے مرسر یونیورسٹی، اٹلانٹا میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے مدعو ہیں۔

خاتم الانبیاء اور سید المرسلین ﷺ کی عظمت پر دی گئی خدائی سند کے بعد پھر کسی اور کی سفارش اور تعریفی کلمات کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن دنیا انتہائی مسعود و مبارک ذات اور اللہ رب العزت کے محبوب ترین رسول پر گویا ہونے اور آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ کو صفحۂ قرطاس پر لانے میں فخر محسوس کرتی رہی ہے اور انشاء اللہ تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنے ہوں یا غیر، خویش و اقارب ہوں، یا اجانب و اغیار، ان میں سے ہر وہ شخص جو تعصب و جانب داری کے حصار سے نکل کر علمی دیانت داری اور حق و صداقت کی روش پر گامزن ہو، یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ محمد عربی ﷺ اللہ رب العزت کے سب سے زیادہ محبوب، انسانیت کے سب سے بڑے نقیب اور بنی نوع انساں کے سب سے بڑے نجات دہندہ ہیں۔ ان کی زندگی میں پوری انسانی برادری کے لیے جو اللہ واحد پر ایمان رکھے اور آخرت میں اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہو، ایک نمونہ ہے۔ اسی مؤقر ترین اور انتہائی مستند نمونے کو عملی زندگی کا زیور بنا کر آج بھی انسانیت اپنے گوہر مقصود کو پا سکتی ہے اور اس دنیا کو بھی جنت نشاں بنا سکتی ہے۔

سیرت طیبہ کی عظمت کا یہی احساس و شعور مصنف کے لیے مہمیز بنا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے ترسٹھ سالہ حیات پاک کے روزنامچوں سے کچھ اوراق ہدیۂ قارئین کرے تاکہ بلا فرق و امتیاز آدمؑ و حواؑ کی ہر اولاد اس کے نور سے اپنی تاریک زندگی کو روشن کر سکے جس کے نتیجے میں اس دنیا کی چند روزہ زندگی بھی سعادتوں سے معمور و معطر ہو جائے اور موت کے بعد کی ابدی زندگی کی لازوال نعمتوں کا توشہ بھی اس کے ہاتھ آ جائے۔

Qazi Publishers & Distributors
B-35, Nizamuddin West, New Delhi-110 013
Phone: +91-11-24352732, 41827475
Fax: +91-11-24352048
E-mail : qazipublishers@yahoo.com
www.qazipublishers.com

ISBN: 978-93-84973-09-4
9 789384 973094